جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ



مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

ستمبر ۲۰۱۹ء مطابق محرم الحرام ۱۴۴۱ھ، جلد نمبر ۲۰، شمارہ نمبر ۹، سلسلہ نمبر ۱۸۲

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

نائب مدیر

مولانا فضیل احمد ناصری
08881347125

نگراں ترسیل

مولانا ابوطلحہ اعظمی
09997504588

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 08006075484

ای۔میل: ahmadanzarshah@gmail.com

اشتراک وتعاون

اندرون ملک:
فی شمارہ-/15 سالانہ-/150
خصوصی-/1000
تاحیات -/10000

بیرون ملک:
سالانہ:20امریکی ڈالر
خصوصی:100امریکی ڈالر
تاحیات:500امریکی ڈالر

مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت دیوبند کو ہی ہوگا۔

Composed By: Huda Computers Deoband 9456422412

ورق در ورق

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

ریاست کشمیر ایک بار پھر موضوعِ بحث ہے۔ ۵/اگست ۲۰۱۹ءکو آئینِ ہند کی دفعہ ۳۷۰ اور ۳۵/اے کو ختم کر دیا گیا۔ ان دفعات کے خاتمے کے ساتھ ہی کشمیر کی خصوصی حیثیت نے بھی آخری سانس لے لی۔ اس فیصلے سے قبل تک حکومتِ ہند کو دفاع، خارجی معاملات اور ٹیلی مواصلات کی حد تک ہی کشمیر میں آزادی حاصل تھی، بقیہ شعبوں میں حکومتِ کشمیر کی اجازت بہرصورت ضروری ہوتی تھی، لیکن ان دفعات کے خاتمے کے بعد مرکزی حکومت کشمیر کے ہر معاملے میں بااختیار ہوگئی ہے۔ صرف دفعات ہی نہیں اٹھائی گئیں بلکہ کشمیر کو دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا۔ لداخ کو الگ ریاست کا مقام ملا، جب کہ جموں وکشمیر مل کر ایک ریاست رہیں گے۔ یہ دونوں ریاستیں اب مرکز کے زیرِ انتظام رہیں گی۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ لداخ میں قانون ساز اسمبلی نہیں ہوگی، جب کہ جموں وکشمیر میں یہ اسمبلی رہے گی۔

آئین میں تبدیلی کا یہ فیصلہ جس وقت راجیہ سبھا میں ہوا، حزبِ اختلاف نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ کانگریس، پی ڈی پی، ترنمول، ایس اور آر جے ڈی نے جم کر نعرے بازی کی، اور اس بل کی سخت مخالفت کی۔ کانگریس کے قدآور لیڈر مسٹر غلام نبی آزاد نے کہا کہ یہ فیصلہ جمہوریت کا قتل ہے۔

یہ دفعات ہٹنے کے بعد اب غیر کشمیریوں کو حق ہوگا کہ وہ یہاں زمین خرید سکیں، اس فیصلے سے جہاں ملک بھر میں خوشی کی لہر دیکھی گئی، وہیں عام کشمیریوں نے حکومت کے اس اقدام کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ مرکز کا یہ فیصلہ اس قدر نازک تھا کہ اس سے پہلے کشمیر کے بلند قامت رہ نماؤں کو نظر بند کرنا پڑا، محبوبہ مفتی اور عمر عبداللہ جیسے سیاست دانوں کی آزادی سلب کر لی گئی، جموں وکشمیر میں مزید فوجیں بھیجی گئیں۔ انٹرنیٹ سروس بند کر دی گئی۔ ٹیلی فون کا رابطہ ختم کر دیا گیا۔ غالب امکان یہی تھا کہ اب کشمیری ٹھنڈے پڑ جائیں گے، لیکن حالات مزید خراب ہو گئے۔ فیصلے کو مہینہ سے زائد ہو گیا، مگر کاروبارِ زندگی ہنوز ٹھپ ہے۔ کرفیو کا سلسلہ رہ نماؤں کی نظر بندی سے شروع ہوا تو ابھی تک ختم نہ ہو سکا۔ کشمیریوں کی مزاحمت بھی برابر جاری ہے۔

اس فیصلے نے اقوام متحدہ کو بھی چونکا دیا، پاکستان کے تیور دن بہ بدن خراب ہوتے جارہے ہیں۔ ادھر ہندوستان کے سپریم کورٹ نے دفعہ ۳۷۰ر کے سلسلے میں ایک پانچ رکنی بنچ تشکیل دی ہے، جس کی سماعت ماہِ اکتوبر سے ہوگی۔ حکومت پر بھی لازم ہے کہ فیصلہ کرتے وقت عوام کی ذہنیت، ان کے جذبات واحساسات کو پیش نظر رکھے، کیوں کہ حکومت رعایا سے چلتی ہے۔ اگر رعایا ہی خوش نہ رہی تو ملک کی رفتار کیسے تیز ہوسکے گی؟

❁❁❁

کشمیر کا مسئلہ تو گرم تھا ہی اب این آر سی کے مسئلے نے ملک کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ۳۱راگست ۲۰۱۹ء کو آسامی شہریوں سے متعلق این آر سی کی آخری اور حتمی فہرست بھی آگئی، اس فہرست سے لگ بھگ انیس لاکھ افراد کے نام غائب ہیں۔ اس دوران ایک عجیب قصہ پیش آیا، ساحرہ نامی خاتون کو پتہ چلا کہ اس کا نام اس فہرست میں نہیں ہے تو اس نے خودکشی کرلی، مگر جب وہ لسٹ جاری ہوئی تو اس کا نام موجود تھا۔ عجیب کشمکش ہے، ایک ساتھ انیس لاکھ شہری غیر ہندوستانی قرار دے دیئے گئے، جن میں سے ۱۲رلاکھ ہندو ہیں اور ۷رلاکھ مسلمان۔

این آر سی کے اس قضیے میں جہاں اب تک سولہ سو کروڑ روپے صرف ہوئے، وہیں بدانتظامیاں بھی دیکھی گئیں، حتمی فہرست میں ایک موجودہ ایم ایل اے کا بھی نام نہیں ہے۔ املائی غلطیاں بے پناہ ہیں۔ ایک خاندان کے چند افراد کے نام ہیں اور چند کے ندارد۔ اس فہرست میں ان لوگوں کے نام بھی نہیں ہیں جن کے نام پچھلی فہرست میں میں آئے تھے۔ تسلی بخش بات صرف اتنی ہے کہ فہرست سے رہ جانے والوں کو ۴رماہ کی مزید مہلت دی گئی ہے۔

حکومت کوئی بھی ہو، عوام کی سہولت کے لئے بنائی جاتی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ وہ ایسا کام نہ کرے جس سے افراتفری کا ماحول بنے۔

❁❁❁

ملک اس وقت شدید بحران کا شکار ہے۔ معیشت کا یہ بحران اس ملک میں پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ ۲۰۱۶ء میں نوٹ بندی ہوئی، پھر جی ایس ٹی۔ ان دونوں سے ملک کا معاشی بحران اتنا عام ہوا کہ لاکھوں افراد بے روزگار ہوگئے۔ بڑی بڑی کمپنیاں بند ہوگئیں۔ روپے کی قدر لگاتار گر رہی ہے۔ ہندوستان تباہ وبرباد ہوتا جارہا ہے۔ معاشی بحران کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حکومت کو بینک سے قرض لینا پڑ رہا ہے۔ بھاجپا کے راجیو کمار کے بقول: موجودہ اقتصادی بحران آزاد ہندوستان کی ستر سالہ

تاریخ کا بدترین بحران ہے۔ آٹو اور ٹیکسٹائل کمپنیاں جس برق رفتاری سے اپنے اپنے ورکروں کو نکال رہی ہے، آنے والے پانچ چھ ماہ میں اس کے اثرات عام طور پر بھی نظر آئیں گے۔ ای ایم آئی کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق ۲۰۱۸ء میں ہی ایک کروڑ دس لاکھ لوگ اپنی اپنی ملازمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اب ۲۰۱۹ء میں ان ملازمتوں کا کیا حشر ہوا ہوگا وہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ۲۰۱۴ء میں الیکشن کے دوران زعفرانی لیڈران نے دعویٰ کیا تھا کہ اگلے پانچ سالوں میں دس کروڑ نوجوانوں کو روزگار ملے گا، مگر ملازمت تو کیا ملتی جنہیں ملی تھی، وہ بھی ہاتھ ملتے رہ گئے۔

افسوس اس کا ہے کہ ایسے نازک دور میں حکومت کو آئینہ دکھانے اور صحیح راہ سجھانے کے بجائے ہمارے ذرائع ابلاغ غیر متعلق اور نفرت انگیز موضوعات پر مباحثے کرا رہے ہیں۔ یہ حرکت ملک کے مفاد میں کبھی نہیں ہوسکتی۔

۞۞۞

ہجومی تشدد کی اصطلاح بھگوا پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد متعارف ہوئی، ایک بھیڑ آتی ہے اور اپنے مخالف کو اکیلا اور نہتا پا کر حملہ کر دیتی ہے، ان کا یہ وار اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ شکار دم نہ توڑ دے۔ اس ہجومی تشدد کو انگریزی میں موب لنچنگ سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ یہ عمل ایک طرح سے ماورائے عدالت قتل ہے۔ ہجومی دہشت گرد اپنے شکار سے جے شری رام کے نعرے بھی لگواتے ہیں۔ ملک کے سیکولر طبقے کو بڑی تشویش ہے۔ عدالت نے بھی قانون سازی کا مطالبہ کیا، لیکن مرکزی حکومت اس سلسلے میں شاید بہت زیادہ سنجیدہ نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ملک بھر میں تشدد کے یہ واقعات آئے دن پیش آرہے ہیں۔ کوئی ہفتہ ایسا نہیں گزرتا جس میں ایسی واردات کی خبر کہیں سے نہ آئی ہو۔ اب تک ۱۵۰ / سے زائد افراد ایسی ناگہانی موت کا شکار ہو گئے۔ مغربی بنگال نے ضرور قانون بنایا اور دس سال کی سزا تجویز کی، مگر یہ کام صرف بنگال میں نہیں، پورے ملک میں ہوگا تو کوئی فائدہ سامنے آئے گا۔

ہجومی تشدد خالص نفرت کی کوکھ کی پیداوار ہے، ارباب سیاست کو اس پر بندش کے لئے جہاں قانون سازی کی ضرورت ہے، وہیں نفرت انگیزی سے بچنا بھی لازم ہے، ورنہ محض قانون سازی بھی ہوا ہوائی ہی ثابت ہوگی۔

۞۞۞

وحی الٰہی اوراس کی حفاظت کا انتظام

فخر المحدثین حضرت مولانا سیّد انظر شاہ کشمیریؒ

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِیْنَ

خدائے تعالیٰ کی اس وسیع وعریض دنیا میں انسان کب آیا، کیسے آیا، کیوں آیا؟ ان سوالات کا کچھ حصہ حل ہو چکا اور کچھ سوالات کے جواب ابھی عقل وفرزانگی دینے سے عاجز ہے۔ کچھ بھی ہو، تاہم اتنی بات تو ماننا ہی پڑے گی کہ بھیجنے والے نے جیسے ہی انسان کو اپنی اس سدا بہار دنیا میں برآمد کیا، ننھی منھی عقل وفکر کا یہی دوڑتا بھاگتا جاندار اسی وقت سے کیا کرے، کیسے کرے؟ کہ بار بار کھڑے ہونے والے سوالات سے نمٹنے کے لئے اس کی رہنمائی کا تمام تر محتاج ہو گیا، جس قدیر، علیم وعلام ہستی نے اسے اس کائنات کے لئے پیدا کیا تھا، یہ رہنمائی ہوتی رہی اور اس کا سلسلہ، سلسلۂ انسانی کے پہلے نشان سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر نبوت ورسالت کی آخری میمون ومسعود کڑی رسالت مآب سید الکونین محمد بن عبداللہ البطحائی فداہ ابی وامی تک جاری ہے، رہنمائی وہدایت، رشد وتعلیم کا یہی لگا بندھا سلسلہ شریعت کی زبان میں وحی کی مقدس اصطلاح کے ساتھ موسوم ہے، قرآن حکیم، خدائے کائنات کی مرتب، کامل ومکمل وہ وحی ہے جس نے اپنے سے پہلے ہر وحی کو منسوخ کر دیا اور اپنے بعد وحی کے امکان کو محال کی جکڑ بندیوں میں کس کر رکھ دیا۔ اب قرآن سے پہلے تشریعی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے نہ کوئی وحی قابل عمل اور نہ قرآن حکیم کے بعد انسان وعقل کو کسی وحی کا انتظار، قرآن حکیم اول وآخر وحی ہے، اس لئے قرآن حکیم کو خدائے لم یزل ولایزال کی وحی ثابت کرنے کے لئے چاہتا ہوں کہ اس وحی پر کچھ عرض کروں۔ اس سلسلہ میں اپنے دماغ میں موجود ساری بحث کو سمیٹنے کے لئے چار وسیع وکشادہ باب کھلتے ہیں۔ (۱) یعنی وحی کون بھیج رہا ہے، (۲) یہ وحی کہاں محفوظ تھی، (۳) اسے اس کائنات کے مقدس ترین انسان کے پاس لے کر کون آیا۔ (۴) اس مقدس انسان کی کون سی وہ صفات ہیں جن کے بعد اس کے اس دعوے کو قبول کر لینا چاہئے کہ اس نے جو کچھ پہنچایا ہے وہ سب کچھ خدائے تعالیٰ کی وحی تھی۔

بحث ونظر میں پہلا جز وحی یعنی وحی کون کر رہا تھا، ایک لفظ رب العالمین سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے طے ہے، ظاہر ہے کہ ماں باپ اگر اولاد کے لئے اس فانی دنیا میں فنا بدوش زندگی اور عارضی ٹھیر ٹھہراؤ کے لئے بھی سروسامان کرتے ہیں، اسی زلزلوں طوفانوں کی زد اور ہر دم اجڑنے والی دنیا میں کسی زمین کے ایک

محدود رقبہ پر تعمیر اٹھانے والا عمارت کے لئے سارا ہی مال مسالہ جمع کرتا ہے، کارخانوں کے قائم کرنے والوں نے اگر مشین، پرزے، انجن، تیل، پانی، ایندھن، بجلی، برقی رو، ہزار ہا ہزار مزدوروں کا نظم پہلے ہی لمحہ میں سوچا سمجھا، تعلیم گاہوں نے طلبہ کی جمعیت کو جمع کرنے سے قبل عمارت، کتب، کپڑا، کھانا، رہائش اور بڑے سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے انتظامات پر نظر رکھی، حد تو یہ ہے کہ بے زبان مخلوں نر اا ور مادہ نے بچوں کی تولید سے پہلے ہی گھونسلے، تنکے، آشیاں اور اس کے مناسب سروسامان بہم پہنچانے کا سودا اپنے ننھے سے دل ودماغ میں پیدا کیا، تو دریافت یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس لمبی چوڑی کائنات کے خالق نے جب اپنی نوع بعد نوع مخلوق کو اس تختۂ ارضی پر نیست سے ہست کرنا چاہا اور اس میں انسان کو مخلوق کے پورے سلسلہ پر فوقیت وفضیلت دینے کا تہیہ کیا تو آخر انسان کی زندگی کے ہر ایک ہی شعبہ میں ہدایت کے لئے کچھ خاص انتظامات آخر کیوں نہ کئے ہوں گے؟ مجھے بتایا تو جائے کہ جانور سے لے کر انسان تک ہر طرح کی فکر کے جواز وضرورت کو ماننے والے عقل وبصیرت کی کس بنیاد پر اس ضرورت کا انکار کر سکتے ہیں۔

ربوبیت کے دائرے کو بجائے تنگ سمجھنے کے اگر اس کی واقعی وسعت کو ملحوظ رکھ کر رب العالمین کے لئے تربیت ظاہر وباطن اندرو باہر کی ضرورت سمجھ لی جائے تو حقیقت کو باور کرنے میں پھر نہ کوئی تاخیر ہو اور نہ تعویق، غالباً یہی وجہ ہے کہ رب العالمین نے اس موضوع پر طول وطویل بیانات دینے کے بجائے اسی ایک لفظ سے معاملہ کے تمام ہی پہلوؤں کو حل کرلیا، اور یہی بات ہے کہ قرآن حکیم جہاں کہیں وحی الٰہی کے سلسلے میں گفتگو کرتا ہے اس پہلے سوال کو چھوڑ کر باقی تین سوالات پر جامع بات کہہ دیتا ہے۔ رہ گئیں آخر کی تین باتیں۔ قرآن حکیم نے دو چار جگہ ان پر سیر حاصل کلام اپنے مخصوص اور منفرد انداز میں کیا ہے، انہیں مواقع میں سے ایک سورۃ ''کوّرت'' ہے جس میں خالق کون ومکان نے کچھ بیانات ارشاد فرمائے ہیں، ابتداء میں اس کائنات کی مکمل تباہی وبربادی پر چند ارشادات ہیں۔ تفاسیر کے لمبے چوڑے ذخیرہ کے مطالعہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد چند سال سے قرآن حکیم کو اپنی بصیرت کے مطابق سمجھنے کی جو کوششیں کر رہا ہوں اور فہم وادراک کے لئے جو چند اہم خطوط تجویز کئے ہیں ان میں خاص اور محبوب شغل قرآن حکیم کے بیانات کے درمیان معنوی تسلسل اور مضمون کی وحدت ووحدانیت کی دریافت بھی ہے یعنی وہی چیز جو عام حلقوں میں ربط بین الآیات وربط بین السور کے نام سے مشہور ہے، اس سورۂ تکویر میں وحی الٰہی سے متعلق کائنات کی ویرانی وپامالی پر کلام کیوں کیا گیا؟ میں اپنی دریافت ووجدان کے مطابق اتنا ہی سمجھ سکا ہوں کہ دنیا کی تخلیق، اس کے خالق اور رب کا بیان، اس کا وجود، قدرت، علم، ارادہ، سمع وبصر وغیرہ صفات کا ثبوت جس طرح وحی الٰہی سے کیا گیا تھا، اب پھیلی ہوئی مضبوط دنیا کی تباہی وبربادی کا مضمون بھی

اسی وحی سے ثابت ہوسکتا ہے، انسان اس دنیا کو کس قدر باقی، فساد وزوال سے محفوظ سمجھتا ہے، یہاں کی دلچسپیاں کیوں کراس کی دامن گیر ہیں، وہ نظام شمس کو ابدی نشان قرار دیتا ہے، اس کی عقل سمندر اور دریاؤں کی موجوں اور طوفانوں میں آگ کے مہیب منظر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، اللہ تعالیٰ نے یہی سب کچھ یعنی جس کو وہ ناممکن سمجھ رہا ہے ممکن بتا کر سمجھایا کہ ویرانی کائنات کی یہ بات کوئی مذاق اور دل لگی نہیں، بلکہ وحی الٰہی کا ایک سچا پکا مضمون ہے اور اس کے ساتھ ہی اس وحی کی عظمت، حفاظت اور صیانت کے دلائل پر توجہ فرمائیں جن کے ماننے پر دنیا کے فنا کی حقیقت ایک حقیقت بن جائے، ذرا آیات ربانی پر غور کیجئے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَ الَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَ الصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾

سو قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانے والوں، سیدھے چلنے دبک جانے والوں کی اور رات کی جب پھیل جائے اور صبح کی جب دم بھرے، مقرر یہ کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا۔

چند چیزوں کی قسم کھا کر زور اسی بات پر ہے کہ ٹوٹ پھوٹ اور اس پُررونق کائنات کی ہمہ جہت ویرانی کی بات تم کو تسلیم ہی کرنا چاہئے اس لئے کہ یہ بیان وحی الٰہی کا ہے جس کو ان محفوظ ذرائع سے تم تک پہنچایا گیا، عجب بات ہے کہ قرآن حکیم نے جہاں کہیں وحی کی حفاظت پر کلام فرمایا ہے اس کے ساتھ بیشتر ستاروں کا تذکرہ قرآن حکیم کا اسلوب ہے، مثلاً سورہ ''والنجم'' میں بھی اسی طرز وصفت کو محفوظ کیا گیا، جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں خود قرآن ہی سے ستاروں کی تخلیق کے مقاصد کی فہرست میں ایک مقصد ''رجوما للشّیاطین'' بھی ہے یعنی انہیں ستاروں سے ان شیاطین پر سنگباری کا کام بھی لیا جاتا ہے جو آسمان پر چڑھ کر مَلَأ ءاعلیٰ میں جاری وساری احکام اور دنیا سے متعلق قضاوقدر کے فیصلوں سے چوری چھپے واقفیت چاہتے ہیں، اور وحی الٰہی بھی کیوں کہ کائنات میں آباد انسان کے پوری زندگی سے متعلق ایک مرتب مجموعہ ہے اس لئے اس میں خلط ملط کرنے کی ابلیس کی کوششوں کا مقابلہ انہیں ستاروں کی فائرنگ سے کیا جاتا ہے آج کل کی زبان میں مختصر یوں سمجھئے کہ سرحدی پولیس دستہ جو سرحد پر خلاف ورزی کرنے والوں پر فائرنگ کرتا ہے اس سے زیادہ عجیب ہے کہ خاص اس موقعہ پر جن ستاروں کی قسم کھا کر وحی الٰہی کی صیانت کے مضمون کو مؤکد کیا گیا، قرآن کی زبان میں ان کے خاص اوصاف یہ ہیں'' پیچھے ہٹ جانے، سیدھے چلتے دبک جانے والوں کی۔''

کیا عرض کیا جائے چودھویں صدی میں آنے اور موجود رہنے کے باوجود قدامت اور پرانے زمانے سے ذہنی وفکری طور پر جکڑا ہوا پاتا ہوں اور خوش ہوں کہ جدت سے رابطہ غیر منقطع ہے اور ہمہ جہت اس کو

ہنر باور کرتا ہو، قرآن حکیم کی کوئی تاویل، توجیہ جس کا کوئی ثبوت ضعیف در ضعیف قدیم قرآنیات کے ذخیرے میں نہ ہو کہتے ہوئے زبان گنگ اور قلم شکست ہوتا ہے، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی کا تو ارشاد ہے کہ دنیا ختم ہو جائے گی، لیکن کتاب الحکیم کے لطائف و معانی ختم نہ ہوں گے، تا قیامت اس کے نئے نئے معانی اور لطائف کا استخراج بہرحال ہوتا رہے گا۔

اس تمہید کے بعد جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، پڑھنے والے ذرا غور سے مطالعہ کریں، یاد ہوگا کہ خاکسار نے یہ ابتدا میں بحث و نظر کے لئے جو چند خطوط تجویز کئے تھے ان میں سے ''حفاظت وحی'' کے در و بست کے متعلق نظم و انتظام کا اہم ترین مسئلہ بھی تھا، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے قدیم مفسرین کی ''الخنس و الکنس'' سے متعلق اس تحقیق کو سامنے رکھئے کہ یہ پانچ مشہور ستارے ہیں جو آگے چلتے چلتے بیک وقت پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور ان کی اسی اضطراری کیفیت کو دیکھ کر ''خمسہ متحیرہ'' کے نام سے انہیں یاد کیا جاتا ہے، یہ تو ہوئی تحقیق سارے قدیم ذخیرے کی لیکن قرآن حکیم کے اس کج مج طالب علم کی بھی سنئے، اور محض اس لئے اس کو ناقابل التفات نہ ٹھہرایئے کہ وہ آپ کے اس عہد علم و روشنی کا ایک غیر معروف بلکہ مجہول طالب علم ہے، بہرحال میں جو کچھ سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ اہم سرحدی دفاتر جن سے حکومت کے خاص راز وابستہ ہوتے ہیں یعنی ''سکریٹ'' وغیرہ کے وہ مقامات جہاں سرمایہ محفوظ ہوتا ہے دیکھا ہوگا اور سبھی دیکھتے ہیں، اس پر ایک خاص مسلحہ دستہ متعین ہوتا ہے، اسے ''سنتری فورس'' بھی کہہ سکتے ہیں، عادت ان کی یہی ہوتی ہے کہ بندوق سنبھالے دفتر متعلقہ کے سامنے آگے پیچھے بڑھتے رہتے ہیں، غالباً یہ انداز تیقظ اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں پوری طرح چوکنا رہنے کا ہے، کہنا یہ ہے کہ جس خدائے حافظ و حفیظ نے خاص اس مقام پر جہاں وحی الٰہی کا تمام تر ریکارڈ ہے شیاطین سے اس کو کلی طور پر محفوظ رکھنے کے لئے جو انتظامات کئے ہیں انسانوں کو انہیں کو سمجھانے کے لئے یہ بات ارشاد فرمائی ہے، مدت سے ایک خیال رکھتا ہوں کہ سائنس جدید اپنے نت نئے انکشافات سے انشاءاللہ اسلام کی ایک ایک بیان کردہ حقیقت کو خود ہی حقیقت سمجھا دے گی، سائنس نے اب تک اپنے مصنوعات سے اسلام کو کس قدر سچا کر دیا، ایک طویل الذیل موضوع ہے، اور لکھنے والوں کے لئے ایک دلچسپ عنوان، کاش کہ کوئی صاحب اس پر زحمت خامہ فرسائی کریں تو یہ بھی اسلام کی ایک وقیع اور قابل قدر خدمت ہوگی، بہرحال دنیا میں یہ انتظامات اور انسان کے سوچنے سمجھنے کا کاروبار مرے خیال میں حقائق کو سمجھنے کے وہ ذرائع ہیں جن کو بہ جبر الہام کر کے خدائے تعالیٰ نے انسان کے ذہن میں ڈال دیا، وحی کی حفاظت کیوں کہ ابتدائی مرحلہ ہے اس لئے عجب نہیں کہ ابتدا ہی سے محفوظ مقامات پر سنتریوں کا عملہ انسان کے ذہن میں ڈال دیا گیا ہوتا کہ وہ اس راہ سے اس اہم

حقیقت کو سمجھنے کی راہ نکال لے، قصۂ کوتاہ بات جو کچھ کہہ رہا ہوں اگر درست ہے تو فبہا اور اگر غلط ہے تو خدائے تعالیٰ اس ظلوم وجہول کو معاف فرمائیں۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمۂ قرآن جس کے متعلق علمائے امت یعنی متاخرین کا فیصلہ ہے کہ یہ الہامی ترجمہ ہے اور واقعہ یہ ہے کہ تفسیر کے سارے کے سارے ہی ذخیرہ کو مطالعہ کرنے کے بعد شاہ صاحب مرحوم ومغفور کے ترجمے کو اگر دیکھا جائے تو اساطین امت کا یہ فیصلہ غلط نہیں، بلکہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے ''دبک جانے والوں'' کا جو مفہوم پیدا کیا ہے اس کے بعد ذرا سوچئے کہ شکاری کبھی شکار سے اپنے جسم کو چھپانے کے لئے گہری گھات اور تاک کے خاطر جو دبک جانے کی کوشش کرتا ہے شیاطین کی مدافعت میں فرشتوں کا یہی محافظ دستہ اسی انداز پر نگرانی ونگہبانی کرتا ہو تو کیا بعید ہے، بہر حال یہی وہ جگہ ہے جہاں وحی الٰہی محفوظ ہے اور جس کی حفاظت کے لئے حافظ وحفیظ نے یہ انتظامات بہم پہنچائے ہیں، اس کے بعد رات کی تاریکی اور سپیدۂ سحری کا جو ذکر ہے احقر کی نظر میں وہ بھی بلاغت قرآن کا ایک لطیفہ ہے، یعنی رات ہی کے وقت میں چوری کے خدشات اور شیاطین کے ملاء اعلیٰ سے متعلق کانا پھوسی کے امکانات کو لپیٹ دینے کے لئے تاریکیٔ شب کا ذکر اور نورِ سحر کے ساتھ ان فوری انتظامات کا خاتمہ، اس لئے کہ سورج کی روشنی میں اس دنیا میں بھی بہر حال امن وامان ہو جاتا ہے، ادب جاہلیت یعنی قدیم شاعری اور ہندوستان کے بعض فرقوں کے عقائد وافکار کا قریب وبعید سے مطالعہ کرنے کے بعد ایک رائے یہ بھی رکھتا ہوں کہ دنیا کی قوموں کے فکری سرمایہ میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہوتی ہے، بالکل اسی طرح جیسا کہ موتی اور خس وخاشاک کے تہ بہ تہ انبار میں، بہر حال جاہلیت کے لٹریچر میں یہ بات بار بار دہرائی گئی ہے کہ بلائیں اور آفات آسمان سے رات ہی کے وقت میں آتی ہیں ادھر قرآن مجید نے عذاب کے سلسلہ میں بَیَاتًا اَوْ ھُمْ قَآئِلُوْنَ کے الفاظ دئے ہیں یعنی ہمارا عذاب رات کے وقت بھی آسکتا ہے اور دن کو جب کہ وہ قیلولہ کر رہے ہوں، قیلولہ دن ہی میں سہی لیکن کیفیت کے اعتبار سے رات ہی کی ایک نومی کیفیت کا مظاہرہ ہے، اس بیان سے بھی عرب جاہلیت کے فکر وعقیدے کی کچھ نہ کچھ تائید ضرور نکلتی ہے اور یہ تو عام مسلمان جانتے ہیں کہ سال بھر سے متعلق فیصلے شب قدر میں ہوتے ہیں، گویا کہ وحی الٰہی یا عام فیصلے کا وقت رات ہی ہے اور اسی وقت ابلیس اور اس کے لشکر کی تگ وتاخت ہوتی ہے، ضرورت تھی کہ حفاظتی نظم ونسق خاص طور پر اس وقت ہوں اور یہی وجہ ہے کہ آیات میں رات کے ذکر اور اس کے بعد سپیدۂ سحری کے تذکرے کئے، ستارے رات ہی میں چمکتے ہیں اور صبح کے ساتھ ان کا وجود بظاہر غائب از نظر رہتا ہے یہ دوسری توجیہ رات اور دن کے تذکرے کی نکل آئی اور ممکن ہے کہ رات کا ذکر وحی الٰہی سے ماقبل کا دور پیش کرتا ہے جو ضلالت وگمراہی

کی اندھیریوں سے بھرپور ہے اور سپیدۂ سحری وحی کے بعد کا زمانہ جو علم وہدایت کے نور سے لبریز ہے، کچھ بھی ہو بہرحال ستاروں اور اس کے ساتھ رات اور دن کی قسمیں معنویت وبلاغت سے خالی نہیں۔

روح الامین یعنی جبرئیل، عنداللہ ایک معزز ترین قاصد ہیں، اور ظاہر ہے کہ اہم ترین رسالت وسفارت کے لئے ایک ایسے ہی برگزیدہ ومنتخب ہستی کا انتخاب ہونا چاہیئے تھا اور اس بزرگ قاصد کی عظمت یوں بھی مسلم، لیکن جس ذات مقتدر نے اس اہم کام کے لئے انتخاب کیا خود اس کی نظر میں بھی یہ مقدس رسول ایک خاص عظمت وجلالت شان کا مالک ومستحق ہے، چنانچہ ارشاد ہوا: عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مگر یہ قاصد ورسول خدائے تعالیٰ کی مقدس مخلوق ملائکہ میں بھی مکرم ہیں کہ نہیں، یا خدانخواستہ اس کی اطاعت مشتبہ ہے، اسی امکان کو ختم کرنے کے لئے ''مُّطَاعٍ'' کے لفظ کا اضافہ کیا گیا، اور رہی اس کی امانت کہ وہ رسالت وسفارت کو صحیح طور پر پہنچا دے اور اس میں خلط ملط یا نقص واضافہ کا امکان نہ رہے، اس کے لئے خاص لفظ ''اَمِيْنٍ''، ملحوظ رہا۔

مگر ابھی ممکن ہے کہ جبرئیل امین کے ان تمام اوصاف جلیلہ کے باوجود سرور کائنات ﷺ کو عیاذاً باللہ اپنے نقص عقل (جنون) کی بنا پر قاصد کے پہچاننے یا اس کے پیغام کو سمجھنے میں وہ ضغطہ پیش آتا ہو جو ایک جنون زدہ کو ایسے مراحل میں درپیش رہتا ہے، اس خیال کی تردید کے لئے ''وَ مَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝ ''ارشاد ہوا یعنی تمہارے یہ ہم نشین العیاذ باللہ مجنون بھی نہیں کہ اس طرح کا واہمہ راہ پائے، سبحان اللہ! بلاغتِ قرآنی ''صاحب'' کے لفظ سے زیادہ جاندار اس حقیقت کو واشگاف کرنے کے لئے مل بھی نہیں سکتا، چوبیس گھنٹے کا ساتھی، شب وروز کا رفیق اور ہمیشہ وقت کا دیدہ وشنیدہ اپنے جنون یا نقصان عقل کو دنیا سے چھپا بھی نہیں سکتا، اس لئے معترضین اور شک وارتیاب کی بیماری میں مبتلا حلقے کو آنحضرت ﷺ کی دائمی رفاقت اور آپ کے احوال سے واقفیت کی بات سمجھا کر شکوک وشبہات کی جڑ ہی کاٹ دی۔

اور قاصد کو بچشم سر دیکھنا، تاکہ خاکم بدہن کوئی دوسرا اس لباس وہیئت میں فریب یا دھوکہ نہ دے سکے ایک ضروری امر ہے اسی لئے خدائے تعالیٰ نے سیدنا جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصل شکل وصورت میں سرور کائنات ﷺ کو دکھا بھی دیا اور اس مشاہدہ کے لئے جو مقام منتخب کیا گیا وہ بھی اس قدر واضح کہ وہاں پر موجود شخصیت اپنے خدوخال کے اعتبار سے قطعاً غیر مبہم اور واضح تھی، چنانچہ ارشاد ہے کہ: وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝ ، افق مبین پر جبریل امین کی یہ رویت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کافی ہے، فارسی ہی کے کسی شاعر نے تو اپنے محبوب کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

تو بہر رنگ کہ خواہی جامہ پوش
من انداز قدرت را می شناسم

چنانچہ اس کے بعد جبرئیلؑ کسی بھی صورت میں جلوہ گر ہوئے لیکن النبی الامی کو ان کے پہچاننے میں کوئی تکلف نہیں ہوا، دنیا کے درباروں میں دیکھا ہوگا کہ ایک ملک سے دوسری حکومت کے صاحب تخت وتاج کو جب گراں قیمت اور شاندار تحائف ملتے ہیں تو عام نظروں سے اس کو مستور رہی رکھا جاتا ہے، عزیز و بلند قیمت اشیاء کو منظر عام پر کون لایا، لیکن فداہ ابی وامی نے اس قرآن کو جو غیب سے متعلق علوم ومعارف کا خزینہ اور معاش ومعاد کے علوم کا سفینہ ہے، کسی بخل کے بغیر کائنات کے ہاتھوں میں دیدیا گویا کہ بخل نہ قرآن حکیم کی جانب سے افادے میں اور نہ صاحب قرآن کی طرف سے اس کی اشاعت وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ پھر یہ بات کس قدر افسوس ناک ہے کہ قرآن حکیم جو وحی الٰہی کا مکمل مجموعہ ہے جو شیطانِ رجیم ومردود کی کوئی فریب آمیز کہانی نہیں، دنیا اس کے قبول کرنے اور باور کرنے میں تامل کر رہی ہے اور راستی وہدایت، سچائی، صداقت، علم وعمل، استواری فکر وعقیدہ درستگیٔ معاد وصحت معاش کے اس آخری اور کامل صحیفے کو چھوڑ کر اساطیر وا کاذیب پر بے تکلف کھنچتے چلے جا رہے ہیں مصنف قرآن نے وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ کے بعد اپنی مخلوق انسان کی تباہ حالی اور واژگونیٔ قسمت پر کس حسرت سے فرمایا کہ:

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾

الغرض قرآن حکیم وحی ہے، اور قرآن حکیم کی صیانت وحفاظت کے لئے جن اسباب ووسائل کی ضرورت تھی، قاصد، پیغام، جس مقدس ہستی پر یہ پیغام نازل کیا گیا، ان کے ضروری اوصاف اس صورت میں بظاہر اجمال کے ساتھ تذکرہ انہیں کا رہا۔

اہل علم اور اہل قلم چاہیں تو انہیں مختصر بیانات سے تفصیلات کی ایک لبریز داستان نکال سکتے ہیں۔

وقت کی قلت کچھ ایسی دامن گیر ہے کہ اس موضوع کے واقعی حق کی ادائیگی اس کوتاہ قلم سے بھی نہ ہو سکی جس کے لئے قارئین سے عفو طلب ہوں۔

سورۃ کے خاتمے پر رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾ کا لفظ دیکھئے اور لطف لیجئے، وہی رب العالمین جو ظاہر کی تربیت کے ساتھ باطن کی تربیت کے لئے وحی انسانوں کے لئے اتارتا رہا، اور جس کی تربیت ہی پکی اور سچی تربیت ہے۔

لیکن اس کھری ہدایت سے استفادہ خود ''رب العالمین'' کا مشیت پر قائم ہے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

عاشوراء

اوراس سے متعلق بعض روایات

مولانا ندیم احمد انصاری، ممبئی

یوں تو سال کے بارہ مہینے اور ہر مہینے کے تیسوں دن اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، لیکن اللہ جل شانہ نے اپنے فضل و کرم سے پورے سال کے بعض ایام کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے اور ان میں کچھ مخصوص احکام مقرر فرمائے ہیں۔ اِنھی میں سے ایک ماہِ محرم کا یومِ عاشوراء کے ہے۔ عاشوراء معنی ہیں 'دسواں دن'۔ یہ دن اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکات کا خصوصی طور پر حامل ہے۔

مشہور مگر غیر صحیح روایات

ابو شیخ نے اپنی کتاب 'الثواب' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ عاشوراء کے دن حضرت نوح علیہ السلام جودی پہاڑ پر اپنی کشتی سے اترے اور اس دن روزہ رکھا اور اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ نیز عاشوراء کے دن ہی اللہ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی اور حضرت یونس علیہ السلام کے شہر والوں کی بھی اسی دن توبہ قبول کی۔ اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

وروی ابو الشیخ فی الثواب، انه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: ان نوحاً هبط من السفينة علی الجودی یوم عاشوراء فصام نوح، وامر من معه بصيامه شکراً للہ، وفی یوم عاشوراء تاب اللہ علی آدم، وعلی اهل مدينة یونس، وفيه فلق البحر لبنی اسرائیل، وفيه ولد ابراهيم وابن مریم علیهما السلام۔ (ماثبت بالسنة:6)

لیکن شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں میں یہ باتیں مشہور ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں اترے تو وہ عاشوراء کا دن تھا، جب نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد خشکی میں اتری تو وہ عاشوراء کا دن تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا اور اس آگ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے گلزار بنایا تو وہ عاشوراء کا دن تھا اور قیامت بھی عاشوراء کے دن قائم ہوگی۔ یہ سب باتیں لوگوں میں مشہور ہیں، لیکن ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔ کوئی صحیح روایت ایسی نہیں

ہے، جو یہ بیان کرتی ہو کہ یہ واقعات عاشوراء کے دن پیش آئے تھے۔ فافہم (اصلاحی خطبات: 80/14) بلکہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے تو ان روایات کو موضوع قرار دیا ہے۔ (انظر ما ثبت بالسنۃ: 9-10)

عاشوراء کا روزہ

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: قریش زمانۂ جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا، یہاں تک کہ رمضان کے روزے فرض ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (اب) جس کا جی چاہے یومِ عاشوراء کا روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔

عن عائشة رضی اللہ عنها: ان قریشاً کانت تصوم یوم عاشوراء فی الجاهلیة، ثم امر رسول اللہ ﷺ بصیامه حتی فرض رمضان، وقال رسول اللہ ﷺ: من شاء فلیصمه، ومن شاء افطر۔ (بخاری: 1893، 1592، مسلم: 1125)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: حضرت نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ ﷺ نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ یہ ایک نیک اور اچھا دن ہے، اسی دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن یعنی فرعون سے نجات دی تھی، اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر ہم موسیٰ سے تمہاری بہ نسبت زیادہ قریب ہیں اور اس کے تم سے زیادہ مستحق ہیں۔ چناں چہ آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: قدم النبی ﷺ المدینة، فرأی الیهود تصوم یوم عاشوراء، فقال ما هذا؟ قالوا: هذا یوم صالح، هذا یوم نجی اللہ بنی اسرائیل من عدوهم، فصامه موسیٰ، قال: فأنا احق بموسیٰ منکم، فصامه، و امر بصیامه۔

(بخاری: 2004، مسلم: 1130)

پہلی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو روایت پیش کی گئی مشرکینِ قریش زمانۂ جاہلیت ہی سے اس دن روزہ رکھتے تھے، غالباً یہ کسی نبی اللہ کی باقیات میں سے ہوگا اور رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے انصار کو بھی اس کا حکم دیا تھا۔ روایتوں میں یہ بھی ہے کہ عیسائی بھی اس دن روزہ رکھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ شریعتوں میں اس دن کا روزہ مشروع تھا۔ (تفہیم البخاری: 780/1)

عاشوراء کے روزہ کی فضیلت اوراحکام

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے عاشوراء کے روزے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: عاشوراء کا روزہ، گذشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے۔

عن عن ابی قتادۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ سئل عن صیام یوم عاشوراء، فقال: یکفر السنۃ الماضیۃ۔(مسلم:1162، ابو داؤد:2425)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جب آں حضرت ﷺ نے یوم عاشوراء میں روزہ رکھنے کو اپنا اصول ومعمول بنایا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس دن کو تو یہود ونصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (گویا یہ ان کا قومی ومذہبی شعار ہے) اور خاص اس دن ہمارے روزہ رکھنے سے ان کے ساتھ اشتراک اور تشابہ ہوتا ہے۔تو کیا اس میں کوئی ایسی تبدیلی ہوسکتی ہے جس کے بعد یہ اشتراک اور تشابہ والی بات باقی نہ رہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان شاء اللہ جب آئندہ سال آئے گا تو ہم نویں محرم کو بھی روزہ رکھیں گے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لیکن آئندہ سال ماہِ محرم آنے سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ وفات پاگئے۔

عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قال: حین صام رسول اللہ ﷺ یوم عاشوراء وامر بصیامہ، قالوا: یا رسول اللہ! انہ یوم یعظمہ الیہود والنصاری، فقال: رسول اللہ ﷺ: فاذا کان العام المقبل انشاء اللہ صمنا الیوم التاسع، قال: فلم یأت العام المقبل حتی توفی رسول اللہ ﷺ۔(مسلم:132، ابن ماجہ:1736وغیرہ)

اسی لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ اوراس کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد یعنی نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنا مستحب ہے، اور صرف عاشوراء کا روزہ رکھنا مکروہِ تنزیہی ہے، اس لیے کہ اس میں یہود کی مشابہت ہے۔

فی الشامیۃ: یعم السنۃ عاشوراء مع التاسع ویستحب ان یصوم یوم عاشوراء بصوم یوم قبلہ او یوم بعدہ، لیکون مخالفاً لأھل الکتاب۔(شامی:302/3، نصب الرایہ:456/2)

عاشوراء میں مسلمان کیا کریں؟

شیخ الفقہاء ومحدثین شیخ شہاب الدین ابن حجر ہیثمی مصری، مفتی مکہ معظّمہ نے اپنی تالیف 'صواعق محرقہ' میں یوم عاشوراء کے ضمن میں لکھا ہے: لوگو! اچھی طرح سمجھ لو کہ عاشوراء کے دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ مصائب سے دوچار ہوئے ----------- بقیہ صفحہ ۲۱ پر

درود وسلام کے لیے رموز کا استعمال؟

مفتی محمد عارف باللہ قاسمی

نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجنا افضل عبادت ہے، جس سے انسان رحمت الٰہی کا مستحق ہوتا ہے اور حبِّ نبوی اور قربتِ الٰہی سے سرفراز ہوتا ہے، جب نبی اکرم ﷺ کا ذکر مبارک تقریر وتحریر میں ہو تو آپ کے نام کے ساتھ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' یا کسی اور صیغہ میں درود وسلام کا تلفظ آپ کا حق ہے، اور یہ واجب ہے کہ آپ کا ذکر صلاۃ وسلام کے ساتھ ہو، البتہ ایک ہی مجلس میں کئی بار آپ کا ذکر ہو تو ذکر کرنے والے اور سننے والے پر ایک بار واجب ہے اور ہر بار آپ کے نام کے تکرار کے ساتھ درود وسلام کا تکرار مستحب ہے۔ علامہ شامی، علامہ ابن ہمام علیہما الرحمۃ کی بات کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مقتضى الدليل افتراضها في العمر مرة، وإيجابها كلما ذكر، إلا أن يتحد المجلس فيستحب التكرار بالتكرار (شامی: ۱/۵۱۶)

''دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے، اور جب بھی آپ کا ذکر ہو واجب ہے، الا یہ کہ مجلس متحد ہو تو تکرار کے ساتھ درود وسلام کا تکرار مستحب ہے''

علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۴۳ھ) لکھتے ہیں:

ينبغي أن يحافظ على كتابة الصلاة والسلام على رسول الله—صلى الله عليه وسلم—عند ذكره، ولا يسأم من تكرير ذلك عند تكرره، فإن ذلك من أكبر الفوائد التي يتعجلها طلبة الحديث وكتبته، ومن أغفل ذلك مرة حرم حظاً عظيماً.

''مناسب ہے کہ نبی ﷺ کے ذکر کے وقت آپ پر صلاۃ وسلام کے لکھنے کی پابندی کرے اور اس کے تکرار سے نہ اکتائے؛ کیونکہ حدیث کے طلبہ اور اس کے لکھنے والوں کو حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد میں سے یہ ایک بڑا فائدہ ہے، اور جو اس سے ایک بار بھی غافل ہو گیا وہ بہت بڑے ثواب سے محروم ہو گیا''۔

درود شریف پڑھنے یا لکھنے میں یہ ضروری ہے کہ درود کے کامل کلمات کا تلفظ ہو اور تحریر میں کامل درود کے کلمات تحریر کئے جائیں، اس لئے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی جگہ ''ص، صعم، صلم، صلیو، صلع، ''ؐ'' اور صلعم'' جیسے رموز واشارات کا استعمال ناپسندیدہ اور ممنوع ہے، اس سے مطلوبہ درود وسلام کی ادائیگی نہیں

ہوتی ہے، اوراس طرح سے درودوسلام کے لکھنے میں اختصار کرنا خلاف ادب ہے، جس سے بچنا لازم ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ (م۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

(وَ) يُكْرَهُ (الرَّمْزُ إِلَيْهِمَا فِي الْكِتَابَةِ) بِحَرْفٍ أَوْ حَرْفَيْنِ، كَمَنْ يَكْتُبُ صَلْعَمْ (بَلْ يَكْتُبُهُمَا بِكَمَالِهِمَا) وَيُقَالُ إِنَّ أَوَّلَ مَنْ رَمَزَهُمَا بِصَلْعَمٍ قُطِعَتْ يَدُهُ. (تدريب الرواى: ص۵۰۷)

''تحریر میں ایک دوحرف کے ذریعہ درودوسلام کی طرف اشارہ کرنا مکروہ ہے، جیسے کہ کوئی ''صلعم'' لکھے۔ایسا کرنے کے بجائے کامل درودوسلام لکھے، اور کہا جاتا ہے کہ جس نے سب سے پہلے درودوسلام کے لئے''صلعم'' کے رمز کو استعمال کیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا''

علامہ محمد بن سلیمان کافیجی حنفیؒ (م۸۷۹ھ) لکھتے ہیں:

وَالرَّمْز بِالصَّلَاةِ مَكْرُوهٌ كَأَن يكْتب صَلْعَم ويشِيرُ بِذَلِك إِلَى الصَّلَاةِ وَالسَّلَام فَالْحقُّ أَن يكْتب بالتمامِ (المختصر فی علم الاثر: ۱۸۱)

''درود لکھنے کے بجائے اس کی طرف رمز واشارہ مکروہ ہے، جیسے کہ صلعم لکھے، اوراس سے صلاۃ وسلام کی طرف اشارہ کرے، حق یہ ہے کہ درودوسلام پورا لکھا جائے''

مشہور محدث علامہ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ(م۹۰۲ھ) لکھتے ہیں:

وَاجْتَنِبْ أَيُّهَا الْكَاتِبُ الرَّمْزَ لَهَا أَيْ لِلصَّلَاةِ عَلٰى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خَطِّكَ، بِأَنْ تَقْتَصِرَ مِنْهَا عَلٰى حَرْفَيْنِ، وَنَحْوِ ذٰلِكَ، فَتَكُونَ مَنْقُوصَةً صُورَةً، كَمَا يَفْعَلُهُ الْكُسَالَى وَالْجَهَلَةُ مِنْ أَبْنَاءِ الْعَجَمِ غَالِبًا وَعَوَامُّ الطَّلَبَةِ، فَيَكْتُبُونَ بَدَلًا عَنْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ص، أَوْ صم، أَوْ صلم، أَوْ صلعم، فَذٰلِكَ لِمَا فِيهِ مِنْ نَقْصِ الْأَجْرِ لِنَقْصِ الْكِتَابَةِ خِلَافُ الْأَوْلٰى. (فتح المغيث بشرح ألفية الحديث: ۷۲/۳)

''اے لکھنے والے! اپنی لکھائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی اس طرح رمز لکھنے سے اجتناب کرو کہ دو یا تین چار حرفوں پر اکتفا کرلو۔اس طرح درود کی صورت ناقص ہوجاتی ہے، جیسے سست لوگوں اور بہت سے جاہل عجمی لوگوں اوراکثر طلبہ کا طرز عمل ہے۔وہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ ص، صم، صلم یاصلعم لکھتے ہیں۔یہ طریقہ کتابت میں نقص کی وجہ سے خلافِ اولیٰ ہے۔''

علامہ ابن حجر ہیتمیؒ (م۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

وَكَذَا اسمُ رَسُولِهِ بِأَنْ يُكْتَبَ عَقِبَه، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَدْ جَرَتْ بِهِ عَادَةُ الْخَلَفِ كَالسَّلَفِ، وَلَا يُخْتَصَرُ كتَابَتُهَا بِنَحْوِ صلعم؛ فَإِنَّه، عَادَةُ الْمَحْرُومِينَ. (الفتاوى الحديثية:

(۱/ ۱۶۴)

”اسی طرح اللہ کے رسول کے نام کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا چاہیے۔خلف وسلف کی یہی عادت رہی ہے۔”صلعم“ کی طرح درود میں اختصار نہ کرے؛ کیونکہ یہ محروم لوگوں کی عادت ہے“

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۴۳ھ) لکھتے ہیں:

وَأَنَّ الصَّلَاةَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِبَارَةٌ عَنْ تَعْظِيمِهِ وَتَبْجِيلِهِ, فَمَنْ عَظَّمَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَبِيبَه، عَظَّمَهُ اللهُ، وَرَفَعَ قَدْرَه فِي الدَّارَيْنِ، وَمَنْ لَّمْ يُعَظِّمْهُ، أَذَلَّه الله، فَالْمَعْنٰى: بَعِيدٌ مِنَ الْعَاقِلِ، بَلْ مِنَ الْمُؤْمِنِ الْمُعْتَقِدِ أَنْ يَتَمَكَّنَ مِنْ إِجْرَاءِ كَلِمَاتٍ مَعْدُودَةٍ عَلٰى لِسَانِهِ, فَيَفُوزُ بِعَشْرِ صَلَوَاتٍ مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَ، وَبِرَفْعِ عَشْرِ دَرَجَاتٍ لَّه، وَبِحَطِّ عَشْرِ خَطِيئَاتٍ عَنْهُ، ثُمَّ لَمْ يَغْتَنِمْهُ حَتّٰى يَفُوتَ عَنْهُ، فَحَقِيقٌ بِأَنْ يَحْقِرَهُ الله تَعَالٰى، وَيَضْرِبَ عَلَيْهِ الذِّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ، وَبَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ تَعَالٰى، وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيلِ عَادَةُ أَكْثَرِ الْكُتَّابِ أَنْ يَقْتَصِرُوا فِي كِتَابَةِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الرَّمْزِ.

(شرح المشکاۃ: ۲/ ۱۳۱)

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم ہے۔اور جو اللہ کے رسول اور حبیب کی تعظیم کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے عظمت عطا فرمائیں گے اور دنیا وآخرت میں اس کی شان بلند کر دیں گے۔اور جو آپ کی تعظیم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دیں گے۔مطلب یہ کہ کسی عاقل، بالخصوص کسی ایسے پختہ اعتقاد والے مؤمن سے یہ بات بعید ہے کہ وہ اپنی زبان پر چند کلمات جاری نہ کر سکے، جن کے بدلے وہ اللہ تعالیٰ کی دس رحمتوں کے حصول، دس درجات کی بلندی اور دس گناہوں کی معافی سے بہرہ ور نہ ہو جائے۔پھر وہ اس غنیمت سے فائدہ نہ اٹھائے، حتیٰ کہ درود اس سے رہ جائے۔ایسا شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرے اور اس پر ذلت ومسکینی نازل کرے اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔اکثر کاتبوں کی عادت بھی اسی قبیل سے ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود لکھنے کے بجائے اشارے پر اکتفا کرتے ہیں۔“

امام العصر حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّ مَا يُذْكَرُ وَيُكْتَبُ لفظُ (صلعم) بدَلَ —صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ— فَغَيْرُ مَرْضِيٍّ وَقَدْ شَنَعَ عَلَيْهِ أَحمدُ بنُ حَنْبَل. (العرف الشذی: ۱/ ۴۹۹)

”جان لیجیے کہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ جو صلعم کا لفظ بولا اور لکھا جاتا ہے، وہ ناپسندیدہ ہے، امام احمد بن

حنبل علیہ الرحمۃ نے اس کی مذمت کی ہے'‘

حضرت مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمۃ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۲ھ) کی ایک مجلس کی گفتگو کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فرمایا کہ حضور ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف پڑھنا واجب ہے، اگر کسی نے صرف لفظ ''صلعم''، قلم سے لکھ دیا، زبان سے درود سلام نہیں پڑھا تو میرا گمان یہ ہے کہ واجب ادا نہیں ہوگا، مجلس میں چند علماء بھی تھے، انہوں نے اس سے اختلاف کیا اور عرض کیا کہ آج کل لفظ ''صلعم'' پورے درود پر دلالت تامہ کرنے لگا ہے، اس لئے کافی معلوم ہوتا ہے، حضرت نے فرمایا: میرا اس میں شرح صدر نہیں ہوا، دراصل بات تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے محسن خلق کے معاملہ میں اختصار کی کوشش اور کاوش ہی کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر آپ ﷺ ہمارے معاملہ میں اختصارات سے کام لینے لگیں تو ہم کہاں جائیں؟''۔

احقر جامع (مفتی محمد شفیع) عرض کرتا ہے کہ جہاں تک کہ ضرورت کا تعلق ہے، سب سے زیادہ ضرورت اختصار کی، حضراتِ محدثین کو تھی، جن کی ہر سطر میں تقریبا حضور ﷺ کا نام مبارک آتا ہے، مگر آپ ائمہ حدیث کی کتابوں کا مشاہدہ فرمالیں کہ انہوں نے ہر ہر جگہ نام مبارک کے ساتھ پورا درود وسلام لکھا ہے، اختصار کرنا پسند نہیں کیا۔ (مجالس حکیم الامت: ص ۲۴۱)

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ (م ۱۴۰۲ھ) لکھتے ہیں:

''علماء نے اس بات کو مستحب لکھا ہے کہ اگر تحریر میں بار بار نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا نام پاک آئے تو بار بار درود شریف لکھے، اور پورا درود لکھے، اور کاہلوں اور جاہلوں کی طرح ''صلعم'' وغیرہ الفاظ کے ساتھ اشارہ پر قناعت نہ کرے، علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں چند حدیثیں بھی نقل کی ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا پاک ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص کسی کتاب میں میرا نام لکھے فرشتے اس وقت تک لکھنے والے پر درود بھیجتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے، حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص مجھ سے کوئی علمی چیز لکھے اور اس کے ساتھ درود شریف بھی لکھے، اس کا ثواب اس وقت تک ملتا رہے گا جب تک وہ کتاب پڑھی جائے گی۔'' (فضائل اعمال ص ۷۶۴)

ان تمام تحریروں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ذکر مبارک کے بعد کامل درود شریف لکھنے کے بجائے درود کے لئے استعمال ہونے والے مروجہ رموز کو لکھنا درست نہیں ہے اور یہ بڑی محرومی کی بات ہے کہ درود لکھنے کے موقع پر اسے نہ لکھ کر ان انعامات الہیہ سے محروم ہو جائیں جو اللہ عزوجل

نے اپنے حبیب ﷺ پر دورد پڑھنے اور لکھنے والے کے لئے مقرر کیا ہے۔

اسی طرح یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جس طرح درود کے لئے رموز کے استعمال سے بچنا ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ناپسندیدہ اور قابل اجتناب ہے کہ اختصار کے پیش نظر درود وسلام میں سے صرف درود یا صرف سلام پر اکتفاء کیا جائے۔ علامہ محمد بن محمد ابوشہبہؒ (م ١۴٠٣ھ) لکھتے ہیں:

ويكره الاقتصار على الصلاة أو السلام في الكتابة، وفي كل موضع شرعت فيه الصلاة۔ (الوسيط فی علوم ومصطلح الحديث: ١٢٩)

''تحریر میں یا جس موقع پر درود مشروع ہے اس موقع پر درود وسلام میں سے کسی ایک پر اکتفا کرنا مکروہ ہے۔''

علامہ شمس الدین محمد بن عمر سفیری شافعیؒ (٩۵٦ھ) لکھتے ہیں:

وإذا كتب الإنسان اسم النبي ينبغي أن يكتب معه —صلى الله عليه وسلم-، ويجمع بين الصلاة والسلام، ولا يقتصر على الصلاة فقط، بأن يكتب صلي الله عليه فقط، ولا يكتب وسلم فقط. حكي ابن عساكر عن من حدثه عن أبي العباس بن عبد الدايم قال أنه حدثه في لفظه قال: كنت إذا كتبت في كتب الحديث وغيرها النبي أكتب لفظ الصلاة دون التسليم، فرأيت النبي —صلى الله عليه وسلم— في المنام فقال لي: تحرم نفسك أربعين حسنة قلت: وكيف يا رسول الله؟ قال: إذا جاء ذكري تكتب صلى الله عليه، ولا تكتب وسلم، وهي أربعة أحرف كل حرف بعشر حسنات، قال: وعدهن —صلى الله عليه وسلم— بيده.

''جب انسان نبی کا نام لکھے تو مناسب ہے کہ اس کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لکھے، اور صلاۃ وسلام دونوں لکھے، صرف درود پر اکتفاء نہ کرے اس طور پر کہ صرف ''صلی اللہ علیہ'' لکھے، اور نہ صرف ''وسلم'' لکھے (بلکہ پورا صلی اللہ علیہ وسلم) لکھے، ابن عساکر نے ابوالعباس بن عبدالدائم سے نقل کرنے والے سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ خود ابوالعباس بن عبدالدائم نے کہا کہ جب بھی میں حدیث کی کتابوں اور دیگر جگہوں پر نبی کا نام لکھتا تو ''سلام'' کے بجائے صرف درود لکھتا تھا، تو میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا، تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تم خود کو چالیس نیکیوں سے محروم کرتے ہو، میں نے کہا کہ یا رسول اللہ وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ جب بھی میرا ذکر آتا ہے تو تم ''صلی اللہ علیہ'' لکھتے ہو، اس میں ''وسلم'' نہیں لکھتے ہو، اس میں چار حروف ہیں ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ہیں، ابوالعباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے ہاتھ سے انہیں شمار کرکے بتایا''۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حمزہ کتانی کے بارے میں بھی علم حدیث کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے کہ وہ بھی اختصار کے پیش نظر صرف ''صلی اللہ علیہ'' لکھتے تھے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ان کی بات کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَالَ حَمْزَةُ الْكَتَّانِيُّ: كُنْتُ أَكْتُبُ عِنْدَ ذِكْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ دُونَ السَّلَامِ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ، فَقَالَ لِي: مَا لَكَ لَا تُتِمُّ الصَّلَاةَ عَلَيَّ. (التدريب: ۵۰۷)

حمزہ کتانی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کے وقت میں سلام کو چھوڑ کر صرف درود لکھا کرتا تھا، تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ مجھ سے فرما رہے ہیں: تم مجھ پر درود کو پورا کیوں نہیں کرتے ہو؟

شرح التذکرہ والتبصرہ میں بھی حمزہ کتانی کا یہ واقعہ مذکور ہے اس میں مزید یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں نے جب بھی ''صلی اللہ علیہ'' لکھا تو اس کے آگے ''وسلم'' بھی لکھا (شرح التذکرہ والتبصرہ:۱/۴۷۷)۔

بقیہ صفحہ ۱۵ کا: اور آپ کی شہادت اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کے مراتب و درجات کی رفعت کا ثبوت ہے۔ اس شہادت کے ذریعے اہلِ بیتِ اطہار کے درجات بلند کرنا بھی اللہ کو منظور تھا۔ اس لیے عاشوراء کے دن جو شخص مصائب کا تذکرہ کرے تو اسے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ پڑھنے میں مشغول رہے، تا کہ اللہ تعالیٰ کے ثواب کا مستحق ہو سکے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۟ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾۔

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے رحم و کرم ہوتا ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔ عاشوراء کے دن انا اللہ پڑھتے رہے، یا بڑی سے بڑی نیکی روزہ رکھنے کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول نہ ہو۔

قال الشيخ شهاب الدين بن الحجر الهيثمى المصرى، مفتى بلد الله الحرام، و شيخ الفقهاء والمحدثين فى اوانه بذلك المقام فى الصواعق المحرقة، اعلم ان اصيب به الحسين رضى الله تعالىٰ عنه فى عاشوراء انما هو الشهادة الدالة على يزيد خطرته ورفعته درجته عند ربه والحاقة بدرجات اهل البيب الطاهرين فمن ذكر ذلك اليوم مصابه لاينبغى ان يشتغل الا بالاسترجاع امتثالاً للامر واحرازاً لما رتبه الله تعالىٰ عليه بقوله: اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۟ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾۔ ولا يشتغل ذلك اليوم الا بذلك ونحوه من عظائم الطاعات كالصوم الخ۔ (ماثبت بالسنة:7)

فتاویٰ عالمگیری کا مختصر اور جامع تعارف

مفتی محمد ساجد میمن

اورنگ زیب عالمگیرؒ نے اپنے عہد حکومت کے ابتدائی دور ہی میں مقدمات اور متنازعہ فیہ معاملات و مسائل کو شریعت اسلامی کی روشنی میں تصفیہ کرنے کے لئے فقہ اسلامی پر ایک جامع اور مستند کتاب تدوین کرائی جو ہندوستان میں ''فتاویٰ عالمگیری'' کے نام سے جب کہ عالم عرب میں ''فتاویٰ ہندیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کا م تخت نشینی کے چار سال بعد ایک شاہی فرمان کے ذریعہ ۱۰۷۳ھ بمطابق ۱۶۶۳ء میں شروع ہوا اور آٹھ سال میں یعنی ۱۰۸۱ھ کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

یہ کتاب ہدایہ کے بعد فقہائے حنفیہ کے نزدیک مستند، معتبر اور جامع کتاب ہے جو نہایت ہی احتیاط اور سائنٹفک طریقہ پر ترتیب دی گئی ہے۔فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب کسی وقتی مصلحت یا محض ایک شخص کی خواہش کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ فتاویٰ کی ترتیب وتدوین کا اصل محرک مسلمانوں کا یہ شدید احساس تھا کہ ان کے اجتماعی معاملات کا فیصلہ کتاب وسنت کے مطابق ہو اور اسلامی قانون ملک میں جاری وساری ہو۔ایسی کتاب کی ضرورت ایک عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی جو انفرادی فتاویٰ کے اختلافات کو دور کردے اور قانون کی بنیادی کتاب کی حیثیت سے پوری مملکت میں استعمال کی جاسکے،لیکن محض سیاسی وجوہات کی بناء پر اس قسم کی کتاب کی ترتیب کے مواقع نہیں مل سکے تھے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دور اور اس سے پہلے کے دور کے سیاسی پس منظر کو بھی سامنے رکھیں،اس سے اندازہ ہوسکے گا کہ سیاسی حیثیت سے وہ کون سے تغیرات پیدا ہو گئے تھے، جو ایک ایسی جامع اور ہمہ گیر فقہ کی کتاب کے ترتیب دینے کا باعث بنے، جو اپنے دور ہی میں نہیں بلکہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے حکومت جانے سے قبل تک مسلمانوں کے معاملات کی اور پوری اسلامی مملکت ہند کی عدلیہ کی بنیادی کتاب تھی اور آج بھی اس کی روشنی میں علماء ومفتیان کرام مسائل کا حل بیان کرتے ہیں۔

فتاویٰ عالمگیر کی تدوین کی ضرورت کا احساس اور اقدام

عالمگیرؒ کی اصلاحات سے حکومت کے ڈھانچہ میں اسلامی تصورات کو بہت کچھ عمل دخل ہو چکا تھا،لیکن حکومت کا سب سے بنیادی اور اہم مسئلہ اس کے عدلیہ کے قوانین ہوتے ہیں کیونکہ یہ روزمرہ کی زندگی اور

معاملات کو کنٹرول کرتے ہیں اور بہت ہی دوررس نتائج کے حامل ہوتے ہیں، عالمگیر کی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنی رعایا کو شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کرے، اس لئے کہ اسلامی حکومت کا بنیادی مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ایسے حالات اور مواقع پیدا کیے جائیں جہاں عامتہ المسلمین آسانی کے ساتھ شریعت کے احکام پر عمل کر سکیں، چنانچہ عالمگیر کو ابتدا ہی سے اس بات کی فکر لاحق تھی کہ وہ ایسے اصلاحات اور اقدامات کرے جس سے روزمرہ کی زندگی کما حقہ اسلامی احکام وقوانین کی گرفت میں آجائے اور روزمرہ کے باہمی معاملات واختلافات فقہ اسلامی کے مطابق حل کیے جائیں۔ عالمگیر کو اس کام کی فکر ابتدا ہی سے تھی۔ وہ اپنے طالب علمی کے دور میں بھی فقہ سے دلچسپی رکھتا تھا اور خود مطالعہ کیا کرتا تھا۔ چنانچہ فقہ کی تدوین کی ضرورت کو انہوں نے جس شدت سے محسوس کیا ہے اس کے متعلق ایم بی احمد نے اپنی کتاب The administration of Justice in Mediveal Indis میں تحریر کیا ہے:

''یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر اپنے تخت پر متمکن ہونے سے قبل ہی یہ خواہش رکھتا تھا کہ اس کی سرکردگی میں اسلامی فقہ پر کوئی قابل اعتبار کتاب ترتیب دی جائے۔ چنانچہ نہایت ہی قابل ذکر کارنامہ ہے کہ زمامِ حکومت سنبھالنے کے صرف پانچ ہی سال بعد اور تخت نشینی کے چار سال بعد خصوصی کام جو شہنشاہِ ہند نے انجام دیا ہے وہ امپیریل فرمان کے ذریعہ فتاویٰ کی ترتیب کے لیے احکام تھے، ابتدائی انتظامات کے بعد علماء کی تقرری کا کام شروع ہوا اور یہ کام ۱۰۷۳ھ میں شروع ہوا اور آٹھ سال بعد ۱۰۸۱ھ میں ختم ہوا''۔

(بحوالہ: ماہنامہ چراغِ راہ، اسلامی قانون نمبر، جون ۱۹۵۸ء، ص: ۴۰۳)

عالمگیر سے قبل فقہ کا کوئی ایسا جامع، مستند مجموعہ موجود نہیں تھا جس میں تمام فقہائے اسلام کے فیصلے اور آراء محفوظ ہوں، جو کچھ بھی تھا وہ منتشر تھا، اس لئے عام افراد کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ ان سے آسانی سے استفادہ کر سکیں اور اب عالمگیر کے سامنے بھی کئی مشکلات آرہی تھیں، روزمرہ کے مسائل، باہمی اختلافات کے معاملات اور متنازعہ فیہ مسائل پر جب قاضیوں کو فیصلہ دینے پڑتے تو انہیں بہت ہی محنت وجانفشانی کرنی پڑتی، اس کے باوجود بھی انہیں یہ اطمینان نہ ہوتا تھا کہ انہوں نے فقہاء کے تمام اہم فیصلوں کو دیکھ لیا ہے، اس لئے کہ فقہ کا تمام کا تمام ذخیرہ منتشر تھا اور اس کے بعد بھی امکان ہوتا تھا کہ کچھ اہم فیصلے پھر بھی نظر انداز ہو گئے ہوں جو ممکن ہے کہ فیصلہ کو متاثر کر سکتے تھے، یہ عملی دشواری ومشکل پہلے بھی موجود تھی، لیکن اب جب کہ ایک خاص اسلامی فضا اور ماحول، معاملات کو طے کرنے کے لیے پیدا ہو رہا تھا تو قاضیوں کو یہ احساس ہمیشہ خوفزدہ رکھنے لگا کہ ان کے فیصلے اگر غلط یا غیر محتاط ہوئے تو ان کو اس کا جواب دینا ہوگا اور اس کا سارا گناہ ان کے سر پڑے گا۔ اس خدا ترسی کے جذبہ نے فقہ کی تدوین کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرایا

کہ فقہ کا کوئی مستند، جامع اور سائنٹفک مجموعہ ہونا چاہیے جو قاضیوں کو مقدمات کے فیصلہ کرنے میں معاون ہو۔اس لئے عالمگیر نے یہ فیصلہ کیا کہ مناسب طریقہ سے اسلامی فقہ کی تدوین کرنے کے لئے ہندوستان کے علماء اور فقہاء کی ایک کمیٹی مقرر کی جائے جو فقہ کی ایک جامع کتاب مرتب کرے تا کہ مسلمانوں کی زندگی کے مسائل فقہ اسلامی کی روشنی میں مناسب طریقہ سے طے کئے جائیں۔

بادشاہ نے ہندوستان کے مشاہیر علماء کے ایک گروہ کو حکم دیا کہ تمام فقہ کی کتابوں سے مفتی بہا مسائل کا انتخاب کر کے ایک کتاب تیار کریں اور اس گروہِ علما کا صدر شیخ نظام کو مقرر کیا۔جن کو علماء کی ایک جماعت بلانے کا کام بھی سپرد ہوا اور جن کی متفقہ رائے ہی سے تمام فیصلوں کو کتاب میں شامل کیا جا سکتا تھا، اہل علم اور فقہ کی جو نامور شخصیات اس وقت دارالخلافہ میں موجود تھیں ان کو یہ کام سپرد کیا گیا اور ایک فرمان کے ذریعہ ان تمام اہل علم کو جو علمی شہرت رکھتے تھے اور علم فقہ میں عبور رکھتے تھے، ملک سے منتخب کر کے بلایا گیا اور اس بورڈ کا شریک کار کیا گیا۔سرکاری خزانہ سے ان کا ایک معقول وظیفہ مقرر کیا گیا، تا کہ یکسوئی کے ساتھ اس کام کو انجام دے سکیں۔ان کے لیے امپیریل کتب خانہ کی تمام کتابیں مہیا کی گئیں اور جو کتابیں درکار ہوتیں، اس کو مہیا کرنے کا انتظام کیا جاتا، ہر سال سرکاری خزانہ سے ان کے اخراجات کے لیے ایک کثیر رقم عطا کی جاتی، اس طرح سرسری اندازہ کے مطابق اس کام پر دو لاکھ روپے (اُس زمانے کے اعتبار سے) صرف ہوا، اور آٹھ سال کی مدت میں یہ کتاب تیار ہوئی۔

ترتیب دینے کا طریق کار

فتاویٰ کو ترتیب دینے کے متعلق فتاویٰ کو دیکھ کر جو کچھ اندازہ ہوتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ فتاویٰ کو ترتیب دینے میں نہایت ہی احتیاط اور سائنٹفک طریقہ اختیار کیا گیا تھا، وہ تمام ذرائع جو ممکن ہو سکتے تھے ان کو اختیار کرنے کی کوشش کی گئی، کتاب کو مرتب کرنے کے لیے مختلف مضامین ومباحث کے اعتبار سے مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ہر حصہ کے لیے علماء کی ایک مستقل الگ جماعت تھی، جو دس بارہ افراد پر مشتمل ہوتی اور اس کا ایک صدر ہوتا جس کی زیر نگرانی یہ جماعت کام کرتی تھی، اور ان تمام جماعتوں کے صدر شیخ نظام برہانپوری تھے، جو پورے کام کے نگران یا انچارج تھے اور وہ براہ راست فتاویٰ کی تیاری کے سلسلے میں جو مسائل ومعاملات پیدا ہوتے ان کی جواب دہی عالمگیر کے سامنے کرتے۔

عالمگیر کی فتاویٰ کی تدوین سے دلچسپی

فتاویٰ کی تصنیف میں عالمگیر نے خود بے پناہ دلچسپی لی ہے اور عملی طور پر اس کام کی تیاری میں غیر معمولی شغف اور انہماک دکھایا ہے۔اس نے ایک طرف تو بورڈ کے علماء اور فقہاء ایسے حضرات مقرر کیے جو

اپنے دور کے ممتاز اور معتمد اور مستند عالم تھے، ان کو وظائف اور ''مدد معاش'' کے طور پر قطعات اراضی دے کر روز مرہ کی ضروریات سے بے نیاز کیا، مادی سہولتوں کے بہم پہنچانے کے علاوہ فقہ کی کتابوں کا ایک ذخیرہ جمع کیا تاکہ اس سے استفادہ کر سکیں، اس کے علاوہ دیگر ممکن سہولتیں فراہم کیں، ان سب باتوں سے بڑھ کر وہ خود روزانہ ایک مقررہ وقت پر شیخ نظام برہانپوری کو بلا کر نہایت ہی انہماک اور تنقیدی نظر سے تین یا چار صفحات یومیہ مطالعہ کیا کرتا تھا اور شیخ نظام کو ان کی بھول چوک اور غلطیوں پر فوراً متوجہ کیا کرتا تھا۔ اس قسم کا ایک واقعہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ:

''والد ماجد (حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ) فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن فتاویٰ عالمگیری کے مفوضہ حصے پر نظر ثانی کے دوران ایک ایسی عبارت پر میری نظر پڑی جس میں صورت مسئلہ کو گڈ مڈ کر کے گنجلک بنا دیا گیا تھا، میں نے ان کتابوں کی طرف رجوع کیا جو اس مسئلے کا ماخذ تھیں، مطالعہ سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ دو کتابوں میں مذکور ہے اور ہر کتاب میں مختلف انداز سے بیان ہوا ہے، مؤلف عالمگیری نے دونوں عبارتوں کو یکجا کر دیا ہے، چنانچہ اس وجہ سے صورت مسئلہ کچھ سے کچھ ہو کر رہ گئی ہے، میں نے اس مقام پر ایک نوٹ دیا جس میں لکھا: ''من لم یتفقہ فی الدین قد خلط فیہ، ھذا غلط، و صوابہ کذا'' یعنی ''جو دین کی سمجھ نہیں رکھتا اس نے یہاں گڑ بڑ کر دی ہے، یہ عبارت غلط ہے اور صحیح یوں ہے''۔ ان دنوں عالمگیر کو اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں حد سے زیادہ اہتمام تھا اور ملا نظام روزانہ ایک دو صفحات بادشاہ کو پڑھ کر سناتے تھے۔ جب میرے اختلافی نوٹ پر پہنچے تو انہوں نے عجلت میں حاشیہ کے نوٹ اور اصل متن کو ملا دیا جس سے تمام کا تمام مطلب خلط ملط ہو کر رہ گیا۔ عالمگیر نے فوراً مداخلت کی اور ملا نظام سے اس کا مطلب دریافت کیا، ملا نظام دم بخود رہ گئے۔ انہوں نے چوں کہ پہلے سے مطالعہ نہیں کر رکھا تھا تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انہیں اپنی غلطی اور کوتاہی پر معافی مانگنی پڑی۔''

یہ ایک واقعہ اس بات پر شاہد ہے کہ بادشاہ کا خود اس کام میں بہت بڑا ہاتھ تھا، علماء اور فقہاء کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ بادشاہ خود چونکہ اس کا پروف (Proof) دیکھتا ہے اس لیے وہ بہت ہی محنت اور تندہی سے کام کو انجام دیتے اور کسی قسم کی غفلت یا لاپرواہی نہ کرتے تھے اور یہی سب سے بڑی خصوصیت فتاویٰ عالمگیر کی ہے کہ انسان کے دائرہ اختیار میں جہاں تک غلطیوں اور کوتاہیوں پر قابو پانے کی کوشش کی جا سکتی ہے وہ اس کی ترتیب کے سلسلے کی گئی ہے۔

حضرت مولانا سیّد انور شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے کہ

''اساتذہ کی روایت ہے کہ جب سلطان عالمگیرؒ نے فتاویٰ مراتب کرایا تو علماء رات کے وقت، بعد نمازِ تہجد جو مسائل روزانہ لکھا کرتے تھے، سنایا کرتے تھے اور جب کسی مسئلہ میں علماء الجھ جاتے تو سلطان عالمگیر جو کہتے تھے وہی مسئلہ پاس ہو کر تحریر ہوتا تھا۔'' (انوارِ انوری: ص ۸۶)

فتاویٰ کی ماخذ کتابیں

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں فقہ اسلامی پر جو کتابیں اس وقت تک تحریری شکل میں موجود تھیں، وہ سب جمع کی گئی تھیں، لیکن ان کتابوں کی تعداد کا صحیح اندازہ تو ممکن نہیں، اس لئے کہ بہت ہی کثیر تعداد میں تھیں، ان کے علاوہ قلمی مسودات اور مفتیوں کے فتاویٰ بھی تھے، جن سب کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ غرض یہ کہ فقہ اسلامی اور اصول فقہ پر جو کتابیں بھی اس وقت موجود تھیں ان سے ضرور استفادہ کیا گیا، تا کہ فقہ پر اس وقت تک جو کچھ علمی کام ہو چکا ہے وہ نظر انداز نہ ہو سکے۔

کتاب کا انداز

عام کتب فقہ کے طرز پر کتاب الطہارۃ تا کتاب الفرائض کے مسائل پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلے ''کتاب'' کا عنوان قائم کرتے ہیں، اس کے تحت ابواب کا ذکر کرتے ہیں، ہر باب کے تحت مختلف فصول قائم کر کے مسائل ذکر کرتے ہیں، مثلاً:

كتاب الطهارة ،وفيه سبعة أبواب ..الباب الأول في الوضوء. وفيه خمسة فصول: الفصل الأول في فرائض الوضوء، الفصل الثاني في سنن الوضوء. الباب الثاني في الغسل وفيه ثلاثة فصول:الفصل الأول في فرائضه.

پوری کتاب کا تقریباً یہی انداز ہے سوائے چند مقامات کے، کہ وہاں ''کتاب'' کا عنوان تو ہے لیکن ''ابواب'' نہیں اور کہیں ''ابواب'' ہیں تو ''فصول'' نہیں۔

اسی طرح نئے عنوان کے تحت اس کی تعریف و معنی بیان کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، مثلاً: ''کتاب الصلاۃ'' کی ابتدا میں نماز کی اہمیت، اس کا حکم، تارک صلاۃ کا حکم وغیرہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: و فیہا ثنان وعشرون بابا، الباب الاول فی المواقیت، الفصل الاول فی اوقات الصلاۃ ''کتاب الحوالہ'' کے آغاز میں حوالہ کی تعریف، معنی وغیرہ ذکر کیے ہیں، اسی طرح ''کتاب الشہادات'' کے شروع میں شہادت کے معنی، تعریف اور ضروری تفصیلات کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن یہ التزام ہر جگہ نہیں، چند مقامات پر ہے۔

خصوصیات

فتاویٰ عالم گیری چند ایسی خصوصیات اور اوصاف کا حامل ہے جو اس کو دیگر کتب فقہ سے ممتاز کرتی ہے:

پہلی خصوصیت: اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ فردِ واحد کی تالیف نہیں، بلکہ علماء احناف کی ایک ممتاز جماعت (جو علم کے ساتھ ساتھ زہد وتقویٰ میں بھی بلند مقام کے حامل تھے) کی محنت اور جدوجہد کا نتیجہ ہے، اس لئے اس میں فقہی اعتبار سے غلطی کا امکان کم ہے۔

دوسری خصوصیت: ہر مسئلہ کے ساتھ اس کے ماخذ کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے، اگر اس میں کسی دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو ''ناقلا عن فلان'' لکھ کر اصل ماخذ کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔

تیسری خصوصیت: اسلامی ہندوستان میں علمِ فقہ کی یہ پہلی مفصل ومبسوط کتاب ہے، جو ایک دین دار بادشاہ کی ذاتی سعی ومحنت سے لکھی گئی اور اس پر عمل کی دیواریں تعمیر کی گئیں اور پھر یہ کتاب کئی بار کتابت وطباعت کی منزلوں سے گزری، فارسی اور اردو زبانوں میں اس کے ترجمے کیے گیے، تاکہ اس کے مضامین ومندرجات سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہوسکیں۔

چوتھی خصوصیت: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے لکھی ہے، وہ یہ کہ ''اس کی تالیف میں عدالتی ضروریات کو مدنظر رکھا گیا ہے، چنانچہ اس میں بعض ایسے ابواب بھی شامل ہیں جو عام کتب فقہ میں دستیاب نہیں، مثلاً: کتاب الشروط اور کتاب المحاضرات والسجلات'' محضر نویسی، معاہدہ نویسی اور وثیقہ نویسی کے نمونوں پر مشتمل ہیں اور ان سے اسلامی فقہ کی روشنی میں معاہدات کی ترتیب وغیرہ کا انداز سامنے آجاتا ہے۔'' (پیش لفظ فتاویٰ عالمگیری مترجم: ۱ / ۸، دارالاشاعت، کراچی)

فتاویٰ عالمگیری کی علمی وفقہی حیثیت

فتاویٰ ہندیہ کو علمی وفقہی دنیا میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، کیونکہ اس میں جو مسائل بیان ہوئے ہیں، وہ فقہ حنفی کی رو سے یا تو راجح اور مفتی بہ ہیں یا ظاہر الروایہ میں سے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ فقہ کی تمام اہم اور قابل ذکر کتابوں کا نچوڑ ہے، اس کے مآخذ اور مراجع فقہ حنفی میں بڑی وقعت رکھتے ہیں۔

فتاویٰ کی تدوین میں شریک علماء وفقہاء

فتاویٰ عالمگیری کی جو سب سے اہم خصوصیت ہے وہ اس کتاب کو ترتیب دینے میں اس دور کے بہترین علماء اور فقہاء کی شرکت ہے، یہ تمام حضرات اپنے دور کے ممتاز اہل علم تھے، جن کی بڑی علمی شہرت

تھی اور جو معتمد علیہ شخصیت کے مالک تھے۔ان کی زندگی کا بیشتر حصہ درس وتدریس میں گزرا تھا، وہ اخلاق وکردار کے لحاظ سے اعلیٰ ترین مقام پر تھے،فتاویٰ کی ترتیب کے لیے علماء کا ایک باقاعدہ بورڈ تھا جس میں کابل اور بخارا سے لے کر ارکان تک اور کشمیر سے لے کر راس کماری تک اکیس صوبوں کے ممتاز اور نامور علماء اور فقہاء موجود تھے۔ان میں سے بعض فقہ کی کتابوں کو جمع کرتے، جزئیات اور حوالہ جات کا مطالعہ کرتے اور اقتباسات جمع کرتے اور اسے نقل کر کے یکجا کرتے۔اس طرح علماء اور فقہاء کی ایک ٹیم اس کام کو سرانجام دے رہی تھی، جس میں ہر قسم کی صلاحیت کے افراد تھے۔اس عظیم کام کی نجام دہی میں کتنے حضرات علماء کرام شریک تھے اس کی صحیح حتمی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا،مختلف اصحاب تحقیق نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے،جس کو جس عالم کے متعلق اس کارِ خیر میں شریک ہونے کا علم ہوا انہوں نے اس کا ذکر کر دیا۔اندازہ ہے کہ اس کام میں کم وبیش ۴۰ سے ۵۰ علماء شریک تھے۔نامور مؤرخ جناب محمد اسحاق بھٹی نے ۲۸ حضرات کا ذکر کیا ہے جو فتاویٰ کی تدوین میں شریک ہوئے، جبکہ مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب کی تحقیق کے مطابق ان اٹھائیس میں سے صرف آٹھ حضرات کے متعلق تو یقین ہے کہ وہ اس کتاب کی تالیف میں شریک تھے، باقی حضرات کی شمولیت کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ تحقیق وتدقیق کی ضرورت ہے۔ذیل میں ان ۲۸ علماء وفقہاء کے اسمائے گرامی پیش ہیں:

(۱) شیخ نظام برہان پوری (۲) شیخ نظام الدین ٹھٹھوی سندھی (۳) شیخ ابوالخیر ٹھٹھوی (۴) شیخ رضی الدین بھاگل پوری (۵) مولانا محمد جمیل جون پوری (۶) قاضی محمد حسین جونپوری (۷) مفتی وجیہ الدین گوپامئوی (۸) سیّد محمد بن قنوجی (۹) مولانا حامد جون پوری (۱۰) مولانا جلال الدین مچھلی شہری (۱۱) قاضی علی اکبر الہ آبادی (۱۲) قاضی عبدالصمد جونپوری (۱۳) مولانا ابوالواعظ ہرگامی (۱۴) مفتی ابو البرکات دہلوی (۱۵) شیخ احمد بن ابوالمنصور (۱۶) مولانا عبدالفتاح صمدانی (۱۷) قاضی عصمت اللہ لکھنوی (۱۸) قاضی محمد دولت فتح پوری (۱۹) مولانا محمد سعید سہالوی (۲۰) شیخ محمد غوث کاکوروی (۲۱) مفتی محمد اکرم لاہوری (۲۲) شاہ عبد الرحیم دہلوی (۲۳) ملا فصیح الدین پھلواروی (۲۴) قاضی سیّد عنایت اللہ مونگیری (۲۵) مولانا محمد شفیع سرہندی (۲۶) ملا وجیہ الرب (۲۷) ملا غلام محمد (۲۸) علامہ ابوالفرح۔

فتاویٰ عالم گیری کے مختلف زبانوں میں ترجمے

فارسی تراجم

فتاویٰ عالمگیری،اورنگ زیب عالم گیرؒ کی مساعی اور علمائے ہندوستان کی کاوشوں کا ایک حسین مجموعہ

ہے، اس کی بنا پر اورنگ زیب کی خواہش تھی کہ یہ ذخیرۂ فقہ، صرف عربی زبان تک محدود نہ رہے، بلکہ اس زمانے کے ہندوستان کی اصل زبان فارسی میں بھی اسے منتقل کیا جائے، ہماری دانست میں فتاویٰ عالم گیری کے فارسی مترجمین دو ہیں، ذیل میں ان کا تعارف پیش ہے:

(۱) ملا عبداللہ چلپی: آپ ترکی کے مشہور عالم ہیں اور اس کام کے لیے آپ کا انتخاب اورنگ زیب عالمگیرؒ نے خود کیا اور آپ کے ساتھ آپ کے شاگردوں کی ایک جماعت بھی شریک کار تھی۔ آپ اورنگ زیب کے باپ، شاہ جہاں کے عہدِ حکومت میں فقیروں کے لباس میں ہندوستان آئے اور دہلی میں اقامت گزین ہوئے۔ ان کا تعارف درج ذیل ہے:

یعنی ''علامہ عبداللہ رومی، ''چلپی'' کی نسبت سے معروف تھے اور کبارِ علما میں سے تھے۔ انھوں نے اورنگ زیبؒ کے حکم پر فتاویٰ عالم گیری کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ وہ عربی، ترکی اور فارسی زبانوں پر عبور رکھتے تھے اور ان کی مروّجہ اصطلاحات سے پوری طرح واقف تھے۔ فقہ اور اصول فقہ میں ان کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ مغل حکمران شاہ جہاں بادشاہ کے زمانۂ سلطنت میں ہندوستان آئے اور فقیروں کی سی ہیئت میں دہلی میں سکونت پذیر ہوئے۔ سعد اللہ خان وزیر ان سے بہت تعلق رکھتا تھا اور ان کو با قاعدہ وظیفہ دیتا تھا پھر ان کا رابطہ شاہ جہاں سے پیدا ہو گیا اور اس نے ان کا یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ شاہ جہاں کے بعد جب اورنگ زیب عالم گیر سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے ان کو اپنی نوازشہائے خصوصی اور عنایتِ خسروانہ کے لیے مختص کر لیا اور فتاویٰ عالم گیری کے ترجمے پر مامور کر دیا۔ عبداللہ چلپی، علوم و فنون میں نادرۂ روزگار شخصیت تھے۔ حکمت و تصوف میں ماہر تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے متعدد تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔'' (بزم تیموریہ، ص: ۲۴۳)

(۲) قاضی نجم الدین علی خان کاکوروی: آپ حمید الدین بن غازی الدین بن محمد غوث کاکوروی کے بیٹے تھے۔ آپ کا شمار ہندوستان کے مشہور علما میں ہوتا تھا۔ ۱۵ / ربیع الاوّل ۱۱۵۷ھ کو کاکوری میں پیدا ہوئے۔ عرصے تک اپنے والد سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر شیخ عبدالرشید جون پوری (مدفون بہ لکھنؤ) شیخ غلام یحیٰ بن نجم الدین بہاری اور ملا حسن بن غلام مصطفیٰ لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ حسن اخلاق سے متصف مگر ساتھ ہی بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ فقراء و ضیوف سے محبت کا برتاؤ کرتے اور اپنے قرابت داروں اور اہلِ شہر سے بہت اچھی طرح پیش آتے۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے، جن میں فتاویٰ عالم گیری کی کتاب الجنایات کا فارسی زبان میں ترجمہ اور مفصل شرح ہے جو آپ نے لارڈ سرجان شور کے مشورے سے لکھی۔ جبر و مقابلہ کے موضوع سے متعلق ''الستة الجبرية'' اور فارسی میں ''شرح علی

السنۃ الجبریۃ'' بھی ان کی تصنیفات میں شامل ہیں۔علاوہ ازیں مختلف عنوانات پر کئی کتب ورسائل کے مصنف ہیں۔عربی زبان میں ان سے بہت سے اشعار بھی منقول ہیں۔منگل کے روز ۱۳ربیع الثانی ۱۲۲۹ھ کو وفات پائی۔(اردو دائرہ معارف اسلامیہ:۱۵/ ۱۵۷)

فتاویٰ عالمگیری کے اُردو تراجم

ہندوستان میں انگریز کے دوراقتدار شروع ہوجانے کے بعد مسلمان آہستہ آہستہ عربی اور فارسی سے نابلد ہونے لگے تو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس علمی ذخیرے کو بھی اُردو میں منتقل کیا جائے، تاکہ اردو دان طبقہ اس سے مستفید ہو سکے، چنانچہ ہماری معلومات کے مطابق اردو میں فتاویٰ عالم گیری کے تین ترجمے ہوئے ہیں۔

پہلا اردو ترجمہ: ہندوستان کے ممتاز قانون دان اور نامور مترجم سید امیر علی کا کیا ہوا اردو ترجمہ، جو اَب ہندو پاک میں چھپ کر مقبولِ عام ہو چکا ہے۔آغاز کتاب میں فاضل مترجم نے ایک مبسوط اور مفصل مقدمہ تحریر فرمایا ہے، جو بے شمار معلومات پر مشتمل ہے۔

دوسرا اردو ترجمہ: مولانا محمد صادق مغل نے کیا ہے۔یہ ترجمہ مکمل کتاب کا نہیں ہے بلکہ فتاویٰ عالمگیری کے چند خاص ابواب کا ترجمہ ہے۔مجلس منتظمہ اشاعت فتاویٰ عالمگیری، راول پنڈی نے اسے شائع کیا ہے۔(نقد و نظر، از مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ:۱/ ۴۱۷)

تیسرا اردو ترجمہ: دارالعلوم دیوبند کے فضلاء اور اساتذہ کا کیا ہوا ترجمہ، نگرانی کے فرائض دارالعلوم دیوبند کے اربابِ افتاء نے سرانجام دیے ہیں۔کتاب کے ٹائٹل پر تعارفی عبارت کچھ یوں ہے:

''حضرت اورنگ زیب عالمگیر قدس اللہ سرہ کا عظیم کارنامہ، اسلامی دستور کی مکمل انسائیکلوپیڈیا 'فتاویٰ عالمگیری' تازہ فٹ نوٹس، مفید ضمیموں، سلیس وشگفتہ اور بامحاورہ زبان کے ساتھ، اردو کے حسین قالب میں''۔

سن اشاعت ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۵ء ہے۔

مترجمین حضرات نے جہاں ضرورت محسوس کی، وہاں حاشیہ میں مسئلہ کی وضاحت اور تفصیل بھی ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔کتاب کی ابتداء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ، مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ، مفتی جمیل الرحمن صاحب، مفتی محمود احمد صدیقی کے تاثرات بھی شامل ہیں۔مکتبہ آفتاب ہدایت، دیوبند سے اس کی اشاعت ہوئی ہے۔

انگریزی ترجمہ: انگریزی زبان میں اس کا کوئی مکمل اردو ترجمہ موجود نہیں، البتہ'' A Diegest of

Islamic Law in India Mohammadan Hanific'' کے نام سے ایک ترجمہ کا ذکر ملتا ہے، جو سن ۱۸۵۰ء میں N.B.A Baila نے کیا ہے، لیکن یہ بھی نامکمل ہے۔ (ماہنامہ چراغِ راہ ،ص:۴۱۲،اردو دائرہ معارف اسلامیہ:۱۵ /۱۵۰)

تحقیق کی ضرورت

یہ بات نہایت باعث حیرت بھی ہے اور قابل افسوس بھی کہ اس قدر اہم اور عظیم الشان کتاب اپنی جلالت شان اور قدر و قیمت کے باوجود محققین کی نظروں سے اوجھل ہے اور ہماری دانست کے مطابق فتاویٰ عالم گیری پر اب تک کوئی علمی اور تحقیقی کام نہیں ہوا، ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کتاب کی شایانِ شان انداز میں تحقیق کی جائے اور تحقیق میں درج ذیل امور کا بطور خاص اہتمام کیا جائے:

(۱) مختلف نسخہ جات کی مراجعت کر کے صحیح عبارت نقل کی جائے۔

(۲) اگر کسی مسئلہ کا حکم عرف، زمانہ یا ابتلائے عام کی بنا پر بدل گیا ہو، حاشیہ میں اس کی طرف اشارہ کیا جائے۔

(۳) کتاب میں جن شخصیات، اماکن یا کتب کا تذکرہ ہے، ان کا تعارف کرایا جائے۔

(۴) جن مراجع و مصادر سے مرتبین نے استفادہ کیا ہے، ان کی طرف مراجعت کر کے صحیح عبارت نقل کی جائے۔

(۵) قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور آثار کی تخریج کی جائے۔

ماخذ ومراجع:

(۱) مآثر عالمگیری، مصنف: محمد مستعد خان ساقی (۲) برصغیر میں علم فقہ، مصنف: مولانا محمد اسحاق بھٹی، (۳) رقعات عالمگیری، مصنف: سید نجیب اشرف ندوی، (۴) حدائق الحنفیہ ،(۵) علمائے ہند کا شاندار ماضی،(۶) انوار انوری، (۷) ملفوظات فقیہ الامت، (۸) ماہنامہ چراغ راہ، (۹) اردو دائرہ معارف اسلامیہ

☆......☆......☆

علامہ اقبال، اکابر علماء حق اور قادیانیت

خادم ختم نبوت محمد سہیل باوا

قادیانی ہر دور میں مرزا قایانی کی جھوٹی نبوت کی گاڑی کو چلانے کے لئے سازشیں کرتے آئے ہیں، بس کوشش یہی کی کہ کسی طرح مرزا قادیانی کی متعفن لاش سے خوشبو آنے لگے۔ جب قادیانی اپنی سرگرمیوں کو رکتا ہوا دیکھتے ہیں تو اس وقت قادیانیوں کے پاس ایک ہی حربہ رہ جاتا ہے کہ اُن کے بول کوئی اور بولیں۔ بس موقعے کی تلاش اور تاڑ میں ہوتے ہیں کہ کوئی مسلم یا غیر مسلم، یا سادہ لوح مسلمان، یا دین سے بیزار سرکردہ رہنما، یا پھر معروف و مشہور تاجر، زرخرید صحافی و دانشور کسی طرح ان کے ہتھے چڑھ جائے تاکہ یہ لوگ قادیانیوں کی ہر اعلیٰ سطح کے اجلاس اور فورم پر بھرپور نمائندگی کریں۔ اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر کوئی ایک دفعہ ان لوگوں کے ہتھے چڑھ جائے تو پھر اس کی واپسی کافی مشکل ہوتی ہے۔ یہ ساری پلاننگ اس لیے کی جاتی ہے تاکہ دین اور علماء سے دور طبقے پر رعب ڈالا جاسکے، دوسرے بااثر رہنماؤں کو جال میں پھنسایا جاسکے اور قادیانی بنانے کی مہم کا راستہ ہموار کیا جاسکے۔

اسی طرح کی ایک نمایاں شخصیت شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم ہیں جن کے بارے میں قادیانیوں کی ہمیشہ بڑی کوشش رہی ہے کہ علامہ کا خصوصی تعلق قادیانیت سے ثابت کرسکیں، لیکن انھیں اس کوشش میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ بات قادیانی لٹریچر میں بڑی شدت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ اقبال تو ہمارے ساتھ اچھے بھلے چل رہے تھے، ''احراریوں'' نے انھیں ورغلا کر ہمارے خلاف کردیا۔ ان کے بقول چودھری افضل حق، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہم آئے دن اقبال کے ہاں چلے آتے اور انہیں اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتے رہتے۔ بالآخر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئے اور اقبال ''احراریوں'' کے ہتھے چڑھ کے ان کے ہمنوا ہوگئے۔

اقبال مرحوم کو ورغلانا یا گمراہ کرنا تو اقبال مرحوم کی توہین ہے جس کے قادیانی خواہشمند تھے۔ قادیانیوں کو اصل تکلیف اس بات سے ہوئی کہ ان لوگوں کے ہاتھ سے بہت بڑا شکار چھوٹ گیا، جو وہ کرنا چاہتے تھے۔ شاعر مشرق علامہ محمد اقبال مرحوم اپنے بلند پایہ ملّی افکار کی وجہ سے ہمارے جدید حلقوں میں مرجع عقیدت سمجھے جاتے ہیں۔ ہاں البتہ یہ بات درست ہے کہ علامہ مرحوم اور ان بزگوں کے درمیان اکثر

ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں، ان ملاقاتوں میں ظاہر ہے کہ ختمِ نبوت کے موضوع پر بھی ان کے درمیان بات چیت ہو جاتی تھی۔ کیونکہ علامہ مرحوم کی زندگی میں یہ ایک نمایاں بات تھی کہ جب کبھی دین کے کسی مسئلے کے بارے میں کہیں ابہام یا تشکیک کا کوئی پہلو ہوتا تو وہ علماء کرام سے رابطہ قائم کر کے ان سے مشاورت کر لیتے تھے۔ اس ضمن میں خصوصی طور پر دارالعلوم دیوبند کے ایک مردِ قلندر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام مختلف کتابوں میں اکثر آیا ہے کہ علامہ اقبال مرحوم کا اُن سے عقیدت و ارادت کا خصوصی تعلق تھا۔ اس سلسلے میں حضرت علامہ سیّد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مجھے ڈاکٹر اقبال نے کہا کہ اثبات باری تعالیٰ پر نیوٹن نے بڑی عمدہ کتاب لکھی ہے، میں نے کہا کہ نیوٹن کی پندرہ تصانیف دیکھی ہیں، میں نے جو رسالہ لکھا ہے اور جو اس میں دلائل قائم کیے ہیں ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' اور ''مرقاۃ الطارم'' اس کو نیوٹن نہیں پہنچ سکا، پھر اقبال نے ضرب الخاتم مجھ سے لے لی اور اس نے بہت سے خطوط لکھ کر ضرب الخاتم کو مجھ سے سمجھا، میرے نزدیک ضرب الخاتم کو جتنا اقبال سمجھے اتنا کوئی مولوی نہیں سمجھ سکا۔ حضرت علامہ سیّد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان صحبت نے فطرت اقبال کے اس پہلو کی مشاطگی کی تھی اور ان کے سوزِ جگر نے اقبال مرحوم کو قادیانیت کے مقابل شعلۂ جوّالہ بنا دیا تھا۔ چنانچہ علامہ اقبال مرحوم جدید تعلیم یافتہ طبقے میں پہلے شخص تھے جن کو فتنۂ قادیانیت کی سنگینی نے بے چین کر رکھا تھا۔

علامہ اقبال مرحوم کا ایک طالب علمانہ انداز:

پنجاب کے اور خصوصاً ہندوستان کے عموماً انگریزی تعلیم یافتہ طبقے میں قادیانی فتنے کی شر انگیزی کا جو احساس پایا جاتا تھا اس میں سب سے بڑا کردار، علامہ اقبال مرحوم کے اس لیکچر کا ہے جو ختم نبوت پر ہے اور ساتھ ہی اس مقالہ کا ہے جو انگریزی میں قادیانی گروہ کے بارے میں شائع ہوا تھا، لیکن یہ شاید کم لوگوں کو معلوم ہے کہ دونوں تحریروں کا اصل باعث حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علامہ سیّد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ انجمن خدام الدین کے کسی سالانہ اجتماع میں شرکت کی غرض سے لاہور تشریف لائے تو علامہ اقبال مرحوم سے خود ملاقات کے لیے اُن کی قیام گاہ پر تشریف لائے پھر ایک دن اپنے ہاں رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ دعوت نامہ کی عبارت تاریخی دستاویز کے طور پر پیش خدمت ہے۔

عریضۂ اقبال بخدمت مولانا انور شاہ کشمیری

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولانا! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مجھے ماسٹر عبداللہ صاحب سے ابھی معلوم ہوا کے آپ انجمن خدام الدین کے جلسے میں تشریف لائے ہیں اور ایک دو روز قیام فرمائیں گے۔ میں اسے اپنی بڑی سعادت تصور کروں گا اگر آپ کل شام اپنے

دیرینہ مخلص کے ہاں کھانا کھائیں، جناب کی وساطت سے حضرت مولوی حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ عثمانی، حضرت مولوی شبیر احمد صاحب اور جناب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کی خدمت میں یہی التماس ہے۔ مجھے امید ہے کہ جناب اس عریضے کو شرفِ قبولیت بخشیں گے۔آپ کو قیام گاہ سے لانے کے لیے سواری یہاں سے بھیج دی جائے گی۔(اقبال نامہ،حصہ دوم،ص:257)

دعوت تو صرف ایک بہانہ تھا، ورنہ اصل مقصد علمی استفادہ تھا چنانچہ کھانے سے فراغت کے بعد علامہ اقبال مرحوم نے ختم نبوت کا مسئلہ چھیڑ دیا جس میں کامل ڈھائی گھنٹہ تک گفتگو ہوتی رہی، علامہ اقبال مرحوم کی عادت یہ تھی کہ جب وہ کسی اسلامی مسئلہ پر کسی بڑے عالم سے گفتگو کرتے تو بالکل طالب علمانہ انداز اختیار کرتے۔مسئلہ کا ایک ایک پہلو سامنے لاتے اور اپنے اشکالات کھل کر بیان کرتے۔چنانچہ انھوں نے حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہی طرز اختیار کیا۔حضرت شاہ صاحبؒ نے علامہ اقبال مرحوم کے سوالات کو بڑے اطمینان اور تحمل سے سنا، اس کے بعد ایک جامع اور مدلل تقریر کی کہ علامہ اقبال مرحوم کو تمام مسائل پر کلی اطمینان ہو گیا جو کچھ خلش ان کے دل میں تھی وہ جاتی رہی۔اس کے بعد انھوں ختم نبوت پر وہ لیکچر تیار کیا جو اُس مجموعہ میں شامل ہے، اور قادیانی گروہ پر ہنگامہ آفریں مقالہ سپرد قلم فرمایا، جس نے انگریزی اخبارات میں شائع ہو کر پنجاب کی فضاؤں میں تلاطم برپا کردیا۔علامہ اقبال مرحوم کا جب یہ مراسلہ شائع ہوا تو ہندوستان کے نامور سابق وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے سوال کیا کہ مسلمان قادیانیوں کو اسلام سے جدا کرنے پر آخر کیوں اصرار کرتے ہیں؟ جب کہ قادیانی بھی مسلمانوں کے بہت سے فرقوں کی طرح انھی کا ایک فرقہ ہیں۔تو علامہ اقبال مرحوم نے ان کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم سب اس بات پر اس لئے مصر ہیں کہ قادیانی گروہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے نئی ہندی امت کو تراشنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کہا کہ ہندوستان میں اسلام کی حیات اجتماعیہ کے لئے یہ گروہ نہایت خطرناک ہے۔اس کے علاوہ ہندوستان کے بعض اور لیڈر بھی قادیانی گروہ کو آگے لانا چاہتے تھے، کیونکہ قادیانیت کے پھیلاؤ سے ہندوستان کی عظمت اور تقدس میں اضافہ ہوگا۔اور مسلمان اپنا رخ حرمین شریفین سے پھیر کر ہندوستان کو اپنا قبلہ اور روحانی مرکز قرار دے لیں گے اور جیسا کہ ان لیڈروں کا خیال تھا اس سے مسلمانوں کے دلوں میں وطن پرستی کی جڑیں مضبوط ہو جائیں گی۔ایک اور بات جو کہ قابل توجہ ہے کہ جن دنوں پاکستان میں قادیانیت کے سدباب کی تحریک چل رہی تھی ہندو اخبارات کی قادیانیوں کے ساتھ غیر معمولی ہمدردی دیکھنے میں آئی۔ان اخبارات نے قادیانیوں کی تائید میں مضامین شائع کئے۔اپنے قارئین کو مجبور مسلمانوں کے مقابلے میں قادیانیوں کا مؤید اور ہمنوا بنانے کی کوشش کی،

اور یہاں تک کہا (اور درست کہا) کہ پاکستان میں قادیانیوں اور مسلمانوں کی یہ کشمکش دراصل عربی نبوت اور ہندی نبوت کی کشمکش ہے اور دو مختلف نبوتوں کے پیروکاروں کی کشمکش ہے۔

کشمیر کے بتیس لاکھ مسلمان اور مفکر پاکستان علامہ اقبال مرحوم:

کشمیر کے مسلمانوں کی حالت زار کو سنوارنے کے لیے مسلمانانِ ہند نے ایک کشمیر کمیٹی قائم کی، جس کا سربراہ مرزا قادیانی کا بیٹا اور قادیانیوں کا دوسرا نام نہاد خلیفہ مرزا بشیرالدین محمود قادیانی کو بنایا گیا، جبکہ مفکرِ پاکستان علامہ اقبال مرحوم کو اس کا جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ چونکہ کشمیر میں مسلم اکثریت تھی اور انہی کے مطالبہ پر اس کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا تھا اس لئے مسلم اہلِ بصیرت حلقوں میں قادیانی خلیفہ کے تقرر سے ہیجان پیدا ہونے لگا۔ اوّل تو اس وجہ سے کہ مسلمانوں کے تصفیہ طلب مسائل کے حل کے لئے ایک قادیانی کا تقرر اس بات کا اعلان کرنا تھا کہ قادیانی مسلمان ہیں۔ حالانکہ قادیانی روزِ اوّل سے ہی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں، اس لئے بشیرالدین محمود قادیانی یا تو کشمیر کے مسلم اکثریت کے ایمان کو تباہ و برباد کرنے کے درپے تھا یا پھر اپنی قادیانی سرگرمیوں میں ناکامی کے باعث مسلمانوں کے مسائل کو کمیٹی کی سطح پر خوفناک نقصان پہنچانا چاہتا تھا، عام مسلمانوں نے کشمیر کمیٹی کے اس امکانی بحران کی طرف توجہ ہی نہ کی، کشمیر کے اس پس منظر کو اس وقت کوئی نہیں سمجھتا تھا، اور قادیانیوں کے مدّمقابل کوئی منظم عوامی تحریک بھی نہ تھی۔ صرف رسائل کی حد تک دلائل سے جواب دیئے جا رہے تھے۔ جس سے مسلمان عوام کا قادیانیوں کے بارے میں علم نہ ہونے کے برابر تھا۔ خصوصاً ماڈریٹ طبقہ کو اس طرف خیال ہی نہیں گیا یہی وجہ تھی کہ علامہ اقبال مرحوم جیسی شخصیت بھی کشمیر کمیٹی میں شامل ہو گئے، اور قادیانیوں کو مسلمانوں کو علامہ اقبال مرحوم کا نام لے کر گمراہ کرنا آسان نظر آنے لگا، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس صورتِ حال سے کافی مضطرب ہو گئے، ان خطرات و اندیشوں کی وجہ سے آپ نے اس تقرر کے خلاف اوّل تو کشمیر کے بعض ذمہ داروں کو احتجاجی خطوط ارسال فرمائے، ساتھ ہی مجلس احرار کو ہمہ گیر احتجاج پر آمادہ و تیار کیا۔ علامہ اقبال مرحوم نے حضرت علامہ سیّد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ہمیشہ اپنی علمی تشنگی کو مٹانے کی کوشش میں اپنے علمی سفر کو جاری رکھا ہوا تھا، لیکن اب تک قادیانیت کے مضر پہلوؤں سے تقریباً ناواقف تھے۔ اسی زمانہ میں حضرت علامہ سیّد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ اقبال مرحوم کو طویل خط لکھ کر فتنۂ قادیانیت کی زہر آلودگی سے مطلع کیا، انھی حالات کو دیکھ کر مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں نے بھی محسوس کیا کہ کئی لوگ غلط فہمی کی وجہ سے قادیانیوں کے جال میں آجائیں گے، خصوصاً مفکر پاکستان کا قادیانیوں کی صدارت میں کشمیر کمیٹی کا ممبر بن جانا مسلمانوں کے لئے غلط فہمی کا باعث بن سکتا ہے کیونکہ علامہ اقبال

مرحوم ہماری قوم کا اثاثہ ہیں، انہیں کسی طریقہ سے اصل حقیقت سے آگاہ کیا جائے۔ادھر مرزا بشیر الدین محمود مذہبی لبادہ میں شاطرانہ چال کھیلنے کی کوشش میں تھا اور خواب دیکھ رہا تھا کہ کسی طرح کشمیر ہمارے قبضہ میں آجائے۔کشمیر میں قادیانیوں کی اتنی دلچسپی کیوں تھی جہاں اور وجوہات ہوسکتی ہیں ان میں ایک وجہ یہ تھی کہ مرزا غلام قادیانی اپنی کتاب کشتی نوح، صفحہ:235 جلد:18 میں لکھا:

''عیسیٰ ابن مریم فوت ہوگئے اور کشمیر سری نگر محلہ خانیار میں ان کی قبر ہے''۔

ان عقائد کے پیش نظر قادیانیوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ اس تحریک کی قیادت ان کے قبضے میں آجائے اور مسلمانوں کے حقوق کے جنگ کے بہانے وہ اپنے آپ کو مسلمان باور کرالیں۔اس طریقہ سے مسلمانوں کے اندر ہمارا شمار بھی ہوجائے گا اور کشمیر بھی ہمارے ہاتھ آجائے گا۔احرار رہنماؤں نے فوراً ایک وفد تیار کیا جس میں چودھری افضل حق، مولانا داؤد غزنوی اور امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہم شامل تھے وفد نے علامہ اقبال مرحوم سے کہا:''کیا آپ نے بھی قادیانی قیادت کو تسلیم کرلیا ہے؟ اگر آپ کی دیکھا دیکھی کشمیر کے بتیس لاکھ مسلمان قادیانی ہوگئے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور آپ مجرم ہوں گے۔نیز قادیانی دوسرے مسلمانوں پر بھی گمراہ کن اثر ڈالیں گے، لہٰذا آپ ان سے علیحدگی کا اعلان کریں''۔چنانچہ اس سے دوسرے روز لاہور برکت علی ہال میں کشمیر کمیٹی کا اجلاس بلایا گیا۔علامہ اقبال مرحوم نے قادیانیوں کے علاوہ باقی شرکاء اجلاس پر اپنا اثر استعمال کرکے بشیر الدین محمود قادیانی کو کشمیر کمیٹی سے نکال دیا اور صدارت خود سنبھال لی۔جس سے ۳/اگست ۱۹۳۱ء کو الگ ہوکر کشمیر کمیٹی کی تمام تر ذمہ داری احرار کے سپرد کردی۔اس استعفےٰ کا تفصیلی ذکر علامہ اقبال مرحوم نے ۶/جون ۱۹۳۳ء کو اپنے پریس بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

''بدقسمتی سے کشمیر کمیٹی میں بعض ایسے ممبر ہیں جو اپنے مذہبی پیشوا بشیر الدین قادیانی کے علاوہ کسی اور کی اطاعت تسلیم نہیں کرتے۔اور یہ امر اس بیان سے ظاہر ہے جو کام میرپور کے مقدمات میں ان کے سپرد کیا گیا تھا اس پر انھوں نے کہا کہ ہم نے جو کچھ کیا وہ صرف اپنے مذہبی پیشوا بشیر الدین قادیانی کے حکم کی تعمیل میں کیا تھا''۔

مفکر پاکستان علامہ اقبال مرحوم کو قادیانیت کا اصل چہرا اب نظر آیا اور یہ حقیقت ہے کہ علامہ اقبال مرحوم کی قادیانیت کے مدمقابل اور ان کی تردید وجد وجہد کا آغاز کشمیر کمیٹی کے قیام کے بعد قادیانیوں کی حقیقت واضح ہوجانے کے بعد ہوا۔

۞۞۞

ریاءونمود: ایک تباہ کن فتنہ

مولانا ابن الحسن عباسی

کسی بھی دینی تحریک کے کامیابی سے ہم کنار ہونے کے لئے کچھ شرطیں اور کچھ تقاضے ہیں۔ بہت ساری اسلامی تحریکیں صرف اس لئے ناکام ہوجاتی ہیں کہ انہوں نے انتخاب تو اسلام کے نفاذ اور دینی انقلاب کے راستے کا کیا ہوتا ہے لیکن وہ اس راہ کے تمام تقاضوں اور شرطوں کی رعایت کے ساتھ آگے نہیں بڑھتیں اور ظاہر ہے کہ منزل تک پہنچے کے لئے، راستے کی مسافتیں صرف نعروں سے طے نہیں ہوتیں، بلکہ کھوکھلے نعروں اور جھوٹے پروپیگنڈوں کی دھول میں، روشن سمتیں بھی دھندلا جاتی ہیں۔ کتنی تحریکیں، ایک غلغلے کے ساتھ اٹھیں اور آندھی کی طرح گزر کر فنا ہوگئیں۔

عالم اسلام میں اٹھنے والی ماضی قریب کی اسلامی تحریکوں کی ناکامی کے متعدد اور متنوع اسباب بتائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک سبب خودنمائی اور نمائش کا وہ روگ ہے جو کسی اسلامی تحریک کی قیادت کو ایک بار لگ جائے تو اخلاص اور نیک نیتی کا جذبہ مفقود ہوجاتا ہے۔ پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا پر اُس کی تصویریں ریلیز ہونا شروع ہوتی ہیں تو خلوص سے اٹھنے والے بہت سے قدم نمائش کے عادی ہوجاتے ہیں، اصل منزل نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہے اور پاکیزہ تمناؤں کی جگہ خودبینی وخودنمائی کی خواہش جڑ پکڑ لیتی ہے۔ یوں تحریک کا بلند ہدف نام ونمود کے وقتی شوق میں تحلیل ہوکر فنا ہوجاتا ہے۔

مختلف اسلامی تحریکوں کی قیادت سے وابستہ کئی لوگوں کو ہم نے دیکھا، وہ صبح اٹھتے ہیں تو ان کی بے تابی قابل رحم ہوتی ہے۔ بڑی بےچینی کے ساتھ وہ اخبارات میں اپنی تصویریں تلاش کرتے اور بیانات ناپتے ہیں۔ بعضوں کے ہاں ایک سیکرٹری کا تقرر تو صرف اس لئے ہوتا ہے کہ وہ ان کی طرف سے بلاناغہ میڈیا کو بیان جاری کرے، ایک ایسا بیان جس کا اول وآخر مقصد، اگلے دن کے اخبارات میں نام ونمود کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس طرح تحریک کے ارفع مقصد کے حصول کے لئے ان کا کردار دھیما پڑجاتا ہے اور وہ سحر گاہی کی آہوں سے بے نیاز ہوکر، ایک بارگاہ کے حضور، گڑگڑانے کی روش تیاگ دیتے ہیں۔ بھلا کوئی اسلامی تحریک، نیم شبی نالوں کے بغیر کامیاب ہوئی ہے۔ ہماری نظر میں، تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ ماضی قریب کی تحریک ختم نبوت، بڑی کامیاب اور بارآور رہی۔ اکابر کے ہاتھوں میں اس کی قیادت تھی، محدث

العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ تحریک کے قائدین میں سے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی ایک سفر میں ان کے ساتھ تھے۔ مولانا اس سفر کی سرگزشت میں لکھتے ہیں:

''کوئٹہ کے سفر میں احقر، علامہ بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ تھا۔ یہاں مولانا کو کل چوبیس گھنٹے ٹھہرنا تھا جس میں تین مجلسوں سے خطاب کرنا تھا۔ ایک پریس کانفرس تھی، گورنر بلوچستان سے ملاقات تھی، اور عشاء کے بعد جامع مسجد میں ایک عظیم الشان جلسہ عام تھا۔ سارا دن مولانا کو ایک لمحہ بھی آرام نہ مل سکا اور رات کو جب ہم جلسہ سے فارغ ہو کر آئے تو بارہ بج چکے تھے، خود میں تھکن سے نڈھال ہو رہا تھا۔ مولانا یقیناً مجھ سے زیادہ تھکے ہوئے ہوں گے۔ اس کے بعد میں سو گیا، رات کے آخری حصے میں آنکھ کھلی تو دیکھا کہ مولانا کی چارپائی خالی ہے اور وہ قریب بچھے ہوئے ایک مصلے پر سجدے میں پڑے ہوئے سسکیاں لے رہے ہیں۔ اللہ اکبر! ایسے سفر، اتنے تھکان اور مصروفیت میں بھی نالۂ نیم شبی جاری تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے تو ایک ندامت ہوئی کہ مولانا اپنے ضعف، علالت اور سفر کے باوجود بیدار ہیں اور ہم صحت مند اور نوعمری کے باوجود محوخواب اور دوسری طرف یہ اطمینان بھی ہوا کہ جس تحریک کے قائد کا رشتہ ایسے ہنگامہ دارو گیر میں بھی اپنے رب سے اتنا مستحکم ہو ان شاء اللہ ناکام نہیں ہوگی۔ اس زمانے میں ملک بھر میں مولانا کا طوطی بول رہا تھا، اخبارات مولانا کی سرگرمیوں سے بھرے ہوئے ہوتے تھے اور ان کی تقریریں اور بیانات شہ سرخیوں سے شائع ہوتے تھے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو میزبانوں نے اخبارات کا ایک پلندہ لا کر مولانا کے سامنے رکھ دیا۔ یہ اخبارات مولانا کے سفر کوئٹہ کی خبروں، بیانات، تقریروں اور تصویروں سے بھرے ہوئے تھے۔ مولانا نے یہ اخبارات اٹھا کر ان پر ایک سرسری نظر ڈالی اور پھر فوراً ہی انہیں ایک طرف رکھ دیا''۔ اس کے بعد جب کمرے میں کوئی نہ رہا تو احقر سے فرمایا:

''آج کل کوئی تحریک دین کے لئے چلائی جائے اس میں سب سے بڑا فتنہ نام و نمود کا فتنہ ہے۔ یہ فتنہ دینی تحریکوں کو تباہ کر ڈالتا ہے۔ مجھے بار بار یہ ڈر لگتا ہے کہ میں اس فتنے کا شکار نہ ہو جاؤں اور اس طرح یہ تحریک ڈوب نہ جائے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس فتنے سے ہم سب کی حفاظت فرمائے ورنہ ہمارے اعمال کو تو بے وزن بنا ہی دے گا۔ اس مقدس تحریک کو بھی لے کر بیٹھ جائے گا''۔

یہ بات فرماتے ہوئے مولانا کے چہرے پر کسی تصنع یا تکلف کے آثار نہ تھے بلکہ دل کی گہرائیوں میں پیدا ہونے والی تشویش نمایاں تھی''۔

۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیئے جانے کی مہم زوروں پر تھی، اسلام آباد میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر میں اکابر جمع تھے، حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی جماعت کی طرف سے قومی اسمبلی

میں نمائندہ مقرر کردیا گیا، انہوں نے اسمبلی کا معرکہ لڑا اور متفقہ قرارداد منظور کرانے کے بعد مجلس کے دفتر پہنچے، تو حضرت بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ مصلے پر سجدہ ریز تھے، گڑگڑا کر دعا مانگ رہے تھے، آنسوؤں سے داڑھی تر تھی۔ حضرت مفتی صاحب نے انہیں خوشخبری سنائی تو وہ روتے جاتے تھے اور فرمارہے تھے ''اللہ! ہم آپ کا شکر کیسے ادا کریں، آپ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے''۔ تحریک ختم نبوت کی قیادت کے اس خلوص وللّٰہیت ہی کی برکت اور نتیجہ تھا کہ یہ تحریک کامیاب ہوئی اور ۱۹۷۴ء کو باقاعدہ دستور میں قادیانیوں کو ''غیر مسلم'' قرار دیا گیا۔

''ستر کی دہائی میں ایک اخبار ''صداقت'' کافی مشہور تھا، غالباً مشتاق رانا اس کے پبلشرز تھے، وہ چند وجوہ کی بناء اخبار فروخت کرنا چاہ رہے تھے، حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے بعض علماء نے کہا کہ دوسری سیاسی جماعتوں کے اخبارات ہیں، جمعیت علمائے اسلام کے آرگن کے طور پر اگر اسے خرید لیا جائے تو جماعتی پبلسٹی کے لئے بہت مفید رہے گا، مفتی صاحب نے بغیر کسی توقف کے برجستہ وہ حدیث سنائی جس میں ہے کہ ''بندہ اپنے اعمال صالحہ سے اللہ کی محبوبیت حاصل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتے کے ذریعے اولاً آسمانی مخلوق اور پھر اہل دنیا میں اس کی محبوبیت کا اعلان کراتے ہیں'' فرمایا: کہ ''ہمیں اس خداوندی تشہیر اور پبلسٹی پر یقین رکھنا چاہیے'' کسی نے ان سے کہا کہ اخبارات میں تو آپ کی تصویریں بھی چھپتی ہیں؟ فرمایا: ''آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اپنی تصویر کھنچوانے کے لئے خود تحریک پیدا کی ہو''۔

اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ کسی اچھے کام کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے اور اسے عام کرنے کے لئے جائز تشہیری ذرائع اختیار نہ کئے جائیں، بلاشبہ نیکی کو پھیلانا اور اس کی جائز تشہیر کرنا خود نیکی اور دعوت کے زمرے میں داخل ہے۔ خطرہ وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں آدمی کا مطمحِ نظر، اپنی ذات کی نمود اور اپنے نام کی نمائش بن جائے، ذاتی مفادات کی الجھنوں میں الجھ کر نظروں کے سامنے سے کسی انقلاب اور تحریک کا وہ پاکیزہ ہدف اوجھل ہوجاتا ہے جس کے حصول کے سودا میں ایک جان کیا، ہزاروں جانوں کا زیاں بھی تمام نفع ہے۔ بعض صوفیاء نے ''حبِ جاہ'' کو ام الامراض قرار دیا ہے، نام ونمود کی خواہش اسی مرض کا اثر ہے جس سے ٹھوس حقائق پیچھے چلے جاتے ہیں اور انسان سطحیت کا شکار ہوجاتا ہے۔ میڈیا بلاشبہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے لیکن اسے فتح وشکست کا اول وآخر معیار قرار دینا قرین انصاف نہیں۔

اس وقت برصغیر میں سب سے بڑا اجتماع تبلیغی جماعت کا ہوتا ہے جو حج کے بعد مسلم دنیا کا عظیم ترمجمع ہوتا ہے۔ لیکن اس کے لئے آج کے دور کی پبلسٹی کے معروف ذرائع میں سے ایک بھی اختیار نہیں کیا جاتا، اخبارات میں اشتہارات آتے ہیں، نہ ٹی وی چینلوں پر سلائیڈ چلتی ہے، حدود شریعت کی پوری پوری

رعایت کے ساتھ، محلے محلے، قریہ قریہ ایک آواز گونجتی ہے اور حقیقی معنوں میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان اجتماع منعقد ہوتا ہے۔ ایک روح پرور ایمان افروز منظر کے ساتھ دین کی بات کی جاتی ہے، دل کی دھڑکنوں اور جگر کے سوز و تڑپ کے ساتھ، بالکل سادہ اسلوب میں اسلام کی طرف لوگوں کو بلایا جاتا ہے۔ نہ اسٹیج سیکرٹری ہوتا ہے اور نہ ہی بیان کرنے والے کو القابات کے ساتھ اعلان کر کے بلایا جاتا ہے، جماعت ہی سے وابستہ بعض مقبول ترین مقررین کو بسا اوقات بیان کے لئے اس مصلحت کے تحت وقت نہیں دیا جاتا کہ کہیں آنے والے، تحریک کے اصل مقصد اور ہدف کی بجائے، خطابت کی خوشنوائی ہی کو مقصود نہ سمجھ لیں، جس سے ایک وقتی اور جذباتی تاثر تو ضرور پیدا ہوتا ہے لیکن اسلام اور اس کے اعمال، اس کے تقاضے، اس کے آداب، غیر مستحکم وقتی جذبوں سے کبھی زندہ نہیں ہو سکتے، وہ تو مکمل شعور و آگہی کے ساتھ ایک مستحکم عقیدے، ایک مسلسل جدوجہد اور زندگی بھر کے نباہ کا کام ہے۔ ان ہی ٹھوس بنیادوں کی وجہ سے جماعت کے خاموش انقلاب نے لاکھوں زندگیوں کو بدلنے اور امت کے بھٹکے ہوئے قافلوں کی راہ راست پر لانے کا وہ عظیم کارنامہ انجام دیا جس کی نظیر گزشتہ صدیوں میں نہیں ملتی۔ مقصد یہ ہے کہ اجتماعی تحریکی اور سیاسی زندگی میں نام و نمود کا فتنہ، بڑی تیزی کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے اور انسان بہت آسانی کے ساتھ اس کا شکار ہو جاتا ہے اس لئے قدم قدم پر بڑی احتیاط، نگرانی اور اپنے نفس کے محاسبے کی ضرورت ہے۔

❁❁❁

دارالعلوم دیوبند: بعض حیثیت سے جامع از ہر مصر پر بھی فائق ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

دارالعلوم دیوبند کے قیام پر ایک صدی سے کچھ زیادہ مدت گزر رہی تھی، دارالعلوم دیوبند محض ایک دینی درسگاہ ہی نہیں (جس کو از ہر ہند کہنا ہر طرح سے درست ہے بلکہ بعض حیثیتوں سے وہ مصر کے جامع از ہر پر بھی فائق ہے) اصلاح عقائد اور اشاعت کتاب و سنت کی تاریخ ساز دعوت ہے، وہ درحقیقت خاندان ولی اللّٰہی ہی کے تجدیدی کارنامے کا امتداد اور تسلسل ہے، جس میں (زمانہ و حالات کی تبدیلی اور انقلاب سلطنت کے پیش نظر) ملت کے بچے کھچے دینی سرمایہ کی حفاظت اور اس کے لیے ایک بڑے مرکز کی تاسیس و ترقی کی حکمت عملی اور اقدامی کوششوں کے میدان تنگ ہو جانے کی بناء پر (عارضی طور پر) دفاعی و حفاظتی پوزیشن اختیار کی گئی، جس کے محرکات و موجبات کا سمجھنا ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی سنگینی اور اس کے وسیع و عمیق اثرات کا جائزہ لیے بغیر ممکن نہیں۔ (مقدمہ، زندہ رہنا ہے تو میرِ کارواں بن کر رہو، مطبوعہ مکتبہ حراء ٹیگور مارگ لکھنؤ ص ۳)

اردو کی ترویج واشاعت میں مدارس کا کردار

ڈاکٹر شہنواز احمد
خواجہ معین الدین چشتی اُردو، عربی فارسی یونیورسٹی لکھنؤ

زبان کا سیکھنا ایک فطری اور اکتسابی عمل ہے۔ زبان نے انسانی زندگی کے ارتقا میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس طرح یہ کہنا ممکن ہوگا کہ زبان ہی فرد اور معاشرہ کے بیچ ایک وسیلہ، اور انسانی ارتقا کی واحد ضامن ہے۔

جہاں تک اردو زبان کے ارتقا کا معاملہ ہے، تو اس بابت ہمیشہ سے کالجوں اور یونیورسٹیوں کی خدمات کو سراہا جاتا رہا ہے، مثلاً فورٹ ولیم کالج، جامعہ عثمانیہ، دہلی کالج اور علی گڑھ تحریک وغیرہ؛ لیکن ان کے علاوہ ایک طبقہ ایسا بھی رہا ہے جس نے ہمیشہ سے اس زبان کی ترقی کے لیے کام کیا ہے، اور وہ طبقہ مدارس ہے جو آج بھی درس وتدریس، وعظ ونصیحت، اور کتابت وخطابت کے ذریعہ مسلسل اردو زبان کو فروغ دے رہا ہے، مکاتب کی شکل میں یہی مدارس جو گاؤں گاؤں میں آج پائے جاتے ہیں، دراصل اردو زبان انہی کی بدولت باقی ہے، اور یہی ادارے زمانۂ قدیم سے اس کی آبیاری کرتے چلے آرہے ہیں۔

ہندوستان میں اردو زبان کی ترویج وترقی کے لیے مدارس ایک مرکزی حیثیت رکھتے ہیں، اگرچہ ان کا بنیادی مقصد اردو زبان کا فروغ نہیں؛ لیکن اردو زبان کے ارتقا کے لیے وقف اداروں سے ان کی خدمات کسی معنی میں کم نہیں، کیونکہ ان مدارس کا ذریعۂ تعلیم زیادہ تر اردو ہی ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ مدارس کے قیام کا اصل مقصد دین کی خدمت ہے، لہٰذا نصاب میں زیادہ تر انہیں مضامین کو شامل کیا جاتا ہے جو اس کی کفالت کر سکیں، مثلاً قرآن، حدیث اور فقہ وغیرہ۔

لیکن مناسب ہوگا کہ میں اس بات کی وضاحت کردوں کہ تعلیم وتدریس کے لیے دو بنیادی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ (۱) ماخذ، (۲) ترسیل

جہاں تک ماخذ کا تعلق ہے تو اس کا بیشتر حصہ عربی زبان میں موجود ہے؛ لیکن ترسیل کے مرحلے میں آکر اردو زبان کا سہارا لیا جاتا ہے، کیونکہ مقصود عوام ہوتے ہیں جو تقریباً تقریباً عربی زبان سے نابلد ہوتے ہیں، چنانچہ علماء کرام نے بھی تقریر وخطابت کے لیے زیادہ تر اسی زبان کا سہارا لیا ہے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ آزادیٔ ملک کے بعد جب قومی زبان کا مسئلہ آیا تو مہاتما گاندھی نے یہی مشورہ دیا تھا کہ زبان کا نام ہندوستانی ہو اور وہ دونوں رسم الخط میں لکھی جائے، لیکن اردو کی مقبولیت سے خوفزدہ لوگوں نے اس تجویز کو ٹھکرادیا، مزید یہ کہ اس زبان کو کمزور کرنے کے لیے مختلف قسم کی سازشیں کیں، مثلاً سرکاری اسکولوں سے اسے ختم کیا گیا، روزگار سے جدا کیا گیا۔لیکن شکر ہے ان مدارس کا کہ ان حالات میں مدارس نے نہ صرف یہ کہ اردو زبان کو ذریعۂ تعلیم بنایا، بلکہ اپنے طلبہ کو اردو زبان میں مضامین ومقالے لکھنا سکھایا۔فن خطابت میں ماہر بنایا، چنانچہ آج بھی مدارس میں طلبہ کے اندر دینی بصیرت کے ساتھ ساتھ اردو زبان پر ان کی دسترس مضبوط بنانے کے لیے مختلف قسم کے مناہج اختیار کیے جاتے ہیں، جن میں چند اہم درج ذیل ہیں:

اردو انجمن

یہ ہفتہ واری تقریری پروگرام ہوتا ہے جس میں طلبہ کے اندر زبان وبیان کا ملکہ پیدا کرنے کے لیے تقریباً سبھی مدارس میں تقریری پروگرام کے لیے ہفتہ میں ایک دن متعین کر دیا جاتا ہے، جس میں ہر طالب علم کے لیے معیاری زبان میں حفظ کردہ تقریر پیش کرنا لازم ہوتا ہے، اور خاص بات یہ ہے کہ اس کی نظامت بھی طلبہ ہی کے سپرد ہوتی ہے۔

دیواری پرچہ

یہ مدارس کی خاص ایجاد ہے۔اساتذہ کی نگرانی میں طلبہ کی ایک مجلس ادارت بنائی جاتی ہے، جو ماہانہ، پندرہ روزہ یا ہفتہ وار علمی وتحقیقی مضامین کی ترتیب واشاعت کی ذمہ داری انجام دی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر دروازے سے جیسے ہی اندر داخل ہوں گے تو آپ کو مشاہدہ ہوگا کہ اس طرح کے پچاسوں پرچے زیب دیوار بنے ہوئے ہیں۔

اکثر بڑے مدارس کے طلبہ مختلف دیواری پرچے اور سالانہ مجلہ نکالتے ہیں جو کہ عام طور پر سہ لسانی ہوتے ہیں، مگر اس کا بیشتر حصہ اردو کے لیے مختص ہوتا ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ مدارس کے طلبہ کی تحریریں دوسروں سے دو درجہ نمایاں ہوتی ہیں، اور اسی کی بدولت موجودہ اردو روزناموں میں کام کرنے والوں کی اکثریت فارغین مدرسہ کی ہے۔اتنا ہی نہیں، کمپیوٹر کے اس دور میں جہاں اب کتابت کے لیے شاید کوئی جگہ نہیں رہی، لیکن آپ کو حیرت ہوگی کہ بہت ہی معمولی اجرت کے عوض اردو کی کتابت کر کے اردو زبان کو تقویت دینے والے یہی فارغینِ مدرسہ ہیں۔

طلبہ لائبریری

طلبہ کے اندر علمی ذوق پیدا کرنے اور تعلیم وتربیت کے لیے اردو کتابیں، رسائل وجرائد وغیرہ مہیا کرائے جاتے ہیں۔ اکثر مدارس میں اس کا نظم ونسق بھی طلبہ ہی کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ اور یہ رسائل وجرائد طلبہ کے اندر تعلیمی صلاحیت کی ترقی کے لیے بہت ہی مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔

مسابقات

اس کے تحت دورانِ تعلیم مختلف قسم کے مسابقاتی پروگرام منعقد کرائے جاتے ہیں، مثلاً مقالہ نویسی، خطابت، بیت بازی وغیرہ۔ اس کا مقصد طلبہ کے اندر خالص علمی وادبی ذوق پیدا کرنا ہوتا ہے، اور ساتھ ساتھ کامیاب ہونے والے طلبہ کو کتابی شکل میں انعامات سے بھی سرفراز کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدارس نے میدانِ خطابت میں بہت سارے سورما مہیا کرائے، مثلاً مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا ارشد مدنی، قاضی مجاہد الاسلام، ابوالحسن علی ندوی، عبید اللہ خاں اعظمی، قاری رضی اللہ، کلب صادق وکلب جواد وغیرہ۔

فنِ خطابت کے ذریعہ بھی علمائے کرام نے اردو زبان وادب کے ارتقا میں غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں، اور آج بھی اسی مقصد کے لیے گامزن ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ فارغینِ مدارس نے اردو زبان وادب کے لیے جو کچھ کیا وہ ان اداروں سے بہت زیادہ ہے جو کہ حکومتی تعاون سے چلائے جارہے ہیں۔ البتہ فارغین مدارس کو وہ پذیرائی نہیں ملی جس کے وہ مستحق تھے۔

چنانچہ مدارس کے طلبہ جب ان مراحل سے گذر کر فارغ التحصیل ہونے کے بعد جس میدان میں بھی قدم رکھتے ہیں، ان کی اپنی ایک حیثیت اور مقام ہوتا ہے، البتہ فارغین مدرسہ، اصلاحِ معاشرہ کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ یہی ان کا نصب العین ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فارغین مدرسہ نے دینی واصلاحی کتابوں کے انبار لگادیئے، مثلاً مولانا اشرف علی تھانویؒ کی سینکڑوں کتابوں میں سے محض ایک کتاب "بہشتی زیور" آج لاکھوں گھروں میں خواتین کی تعلیم وتربیت کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔

طلبہ کے اندر مخفی صلاحیت کو جلا بخشنے کے ساتھ ساتھ علمی وادبی حلقہ کے لیے بھی ان مدارس میں بہت سارے اُمور انجام دیئے جاتے ہیں، جن میں چند اہم درج ذیل ہیں:

لغت نویسی

مختلف مجالات جیسے قرآنیات، فن حدیث، فقہ، ادب، طب وغیرہ سے متعلق لغات تیار کی جاتی ہیں، مثلاً مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی کی "مصباح اللغات"، قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کی "قاموس

القرآن"، "بیان اللسان"، حکیم عزیز الرحمن کی اردو-انگریزی "میڈیکل ڈکشنری" (دو جلدیں) اور سہ لسانی "انگریزی-عربی-اردو ڈکشنری"، مولانا وحید الزماں کیرانوی کی "القاموس الوحید" (دو جلدیں)، "القاموس الجدید"، اور "القاموس الاصطلاحی"، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی "قاموس الفقہ" (پانچ جلدیں)، اور مولانا ندیم الواجدی کی "القاموس الموضوعی" وغیرہ بہت ہی مقبول اور معروف ہیں۔ جن کا غیر اردو داں کو اردو سے قریب لانے میں ایک بڑا رول رہا ہے۔

تراجم

ان میں ان کتابوں کی تشریح وتوضیح کی جاتی ہے جو کہ مراجع ومصادر کی حیثیت رکھتی ہیں اور جن سے استفادہ ہر کس وناکس کے لیے ممکن نہیں ہوتا ہے، مثلاً قرآنی تفسیرات، احادیث کی شروحات، اور بھی دوسری اہم کتابیں۔

صحافت

اصلاح معاشرہ اور دینی خدمات کے حوالے سے تقریباً سبھی مدارس کے اپنے ماہنامہ یا سہ ماہی رسائل ہوتے ہیں جن کی زبان زیادہ تر اردو ہی ہوتی ہے، کیونکہ مخاطب عوام الناس ہی ہوتے ہیں۔

آج مدارس کی صحافت کو مذہبی صحافت کا نام دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ لیکن غور فرمایئے دیگر ادبی رسائل کی سرکولیشن کتنی ہے؟! الا ماشاءاللہ ہی ہزاروں میں ہوں گے، ورنہ اکثر وبیشتر سیکڑوں میں ہی ہوں گے، جب کہ مذہبی رسائل کی سرکولیشن ہزاروں میں ہوتی ہے جو کہ زیادہ تر اردو زبان میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا درست ہوگا کہ جہاں ایک جانب یہ رسائل دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، تو دوسری جانب اردو زبان وادب کے ارتقاء کے لیے بھی کوشاں ہیں۔ اور مناسب سمجھتا ہوں کہ آج اردو زبان وادب کے تعلق سے ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی کر دیا جائے، آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے، بلکہ بلاتفریق ہر مذہب وملت کی زبان ہے، اس لیے سبھی کو ایک ساتھ مل کر اس کے ارتقا کے لیے کام کرنا چاہیے۔ لیکن میں اس بات کی وضاحت کردوں کہ اگر یہ زبان مرض الموت میں مبتلا ہوئی تو سب سے زیادہ آہ وبکا کی آوازیں مسلم گھرانوں سے ہی بلند ہوں گی، کیوں کہ اس زبان سے آپ کا تعلق صرف ادبی حد تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ کے اسلاف اس میں مذہبی سرمایہ بھی چھوڑ گئے ہیں، جو کہ آپ کا مقصد حیات ہے۔

اردو کی تشکیل وتکمیل اور ترویج واشاعت میں مدارس کی بیش بہا خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اردو زبان کی ابتدائے آفرینش سے لے کر ارتقا کی مکمل تاریخ میں مدارس کی عظیم خدمات شامل رہی ہیں، خواہ

اردو کی نحوی وصرفی ساخت کی بات ہو، یالفظیات ومصطلحات کی بات ہو، یا پھر مترادفات یا استعارات اور تشبیہات وتلمیحات کی بات ہو، مثلاً سرسید احمد خاں، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا حالی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا محمد حسین آزاد، مولوی عبدالحق، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، عبدالسلام ندوی، سید سلیمان ندوی، نیاز فتحپوری، مولانا عامر عثمانی، حسرت موہانی، حیات اللہ انصاری، اکبر الہ آبادی، فیض احمد فیض، کیفی اعظمی، درد، مجروح سلطان پوری، مرزا غالب، میر، مومن، سراج دکنی، داغ دہلوی، جیسے نہ معلوم کتنے ہی ایسے نام ہیں کہ اگر انہیں اردوادب وتاریخ سے نکال دیا جائے تو شاید یہ عمارت انہدام کی شکار ہو جائے۔

بڑے ہی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اتر پردیش جیسے عظیم صوبے میں پرائمری سطح سے انٹر تک ایک بھی اردو میڈیم سرکاری اسکول یا کالج نہیں ہے، جب کہ دوسرے صوبوں میں اس طرح کے اسکول وکالج پائے جاتے ہیں۔اب زیادہ تر مکاتب ومدارس کا رجحان صرف مالی مفاد میں عربی فارسی بورڈ کی طرف منتقل ہوتا نظر آرہا ہے، جو کہ ایک سرکاری ادارہ ہے، اور لوگ بڑی ہی تیزی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں؛ کیونکہ انہیں اس میں مسئلۂ معاش کا حل نظر آرہا ہے۔جس سے اردو زبان کے ارتقا میں دشواریاں آسکتی ہیں۔

❁❁❁

جسے خدا رکھے اسے کون چکھے

چوتھی صدی ہجری میں منصور نامی ایک شخص اندلس کا حکمران گزرا ہے۔اس نے کسی جرم میں ایک آدمی کو گرفتار کرلیا، مجرم کی والدہ نے بیٹے کی رہائی کیلئے رحم کی اپیل کی۔جس سے منصور مزید بگڑ گیا اور قلم ہاتھ میں لے کر لکھنا چاہا۔"اسے پھانسی دی جائے" لیکن لکھا۔"اسے رہا کیا جائے" وزیر نے وہ رقعہ لے کر اس کی رہائی کا حکم جاری کیا۔منصور نے پوچھا، کیا لکھا؟ کہنے لگا:"فلاں کی رہائی کیلئے لکھا" منصور بھڑک اٹھا۔"اسے پھانسی دی جائے"۔رہائی کا کس نے کہا ہے؟ وزیر موصوف نے اس کو پرچی تھما دی جس پر"اسے رہا کیا جائے" لکھا تھا، کہنے لگا۔یہ غلطی سے لکھ دیا ہے، اس کو پھانسی دینی ہے۔اور سابقہ حکم مٹا کر لکھنا چاہا۔"اسے پھانسی دی جائے۔لیکن لکھا"اسے رہا کیا جائے" وزیر نے حکم کے مطابق رہائی کا حکم دیا، منصور نے پوچھا کیا لکھا؟ کہنے لگا:"فلاں کی رہائی کے لیے لکھا" منصور آگ بگولا ہوا۔"اسے پھانسی دینی ہے پھانسی" رہائی کا کس نے کہا ہے؟ وزیر نے پھر اسی کا لکھا ہوا رقعہ سامنے کیا جس میں رہائی کے لیے لکھا تھا کہنے لگا:"یہ غلطی ہوگئی ہے" لیکن تیسری بار بھی اسی طرح ہوا۔منصور نے قلم سے پھانسی کی بجائے اس کے لیے آزادی کا پروانہ جاری کر دیا۔جب تین بار اسی طرح ہوا تو تقدیر کے قاضی کے سامنے منصور کو بھی سر تسلیم خم کرنا پڑا۔کہنے لگا۔"اسے میرے نہ چاہنے کے باوجود رہا کر دیا جائے، اللہ جس کو رہا کرنا چاہے، میں اسے نہیں روک سکتا ہوں۔" (جسے اللہ رکھے اسے کون فنا کر سکتا ہے) (بحوالہ: کتابوں کی درسگاہ میں مصنفہ ابن الحسن عباسی)

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث ونائب ناظم تعلیمات جامعہ ہٰذا

عیدالاضحیٰ کی تعطیل کے بعد آغازِ تعلیم

جامعہ کی تعطیلات کلاں میں عیدالاضحیٰ کی تعطیل بھی ہے، جامعہ کی تعطیل عیدالاضحیٰ ۶/اگست ۲۰۱۹ء سے ۲۱/تک رہی۔ اس دوران جمیع طلبہ اور اساتذہ اپنے اپنے وطن تشریف لے گئے اور ایام تعطیل گزار کر وقتِ مقررہ پر واپس آ گئے۔ ۲۲/اگست مطابق ۲۰/ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ سے تعلیم کا باقاعدہ آغاز کر دیا گیا۔ اسباق حسبِ سابق شروع ہو گئے۔ بعدِ مغرب کا تکرار ومطالعہ بھی سرگرمی کے ساتھ شروع کر دیا گیا۔

عید قرباں میں قربانی کا نظم

عید قربان کے موقع پر جامعہ میں حسب سابق قربانی کی گئی، بڑے اور چھوٹے جانوروں کی قربانی نسبتاً امسال زیادہ ہوئی، قربانی کا گوشت اس کے مستحقین کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔

حضرت رئیس الجامعہ مدظلہٗ کی طرف سے طلبہ کی ضیافت

تعطیل عیدالاضحیٰ کی مناسبت سے اگرچہ طلبہ اپنے گھر چلے گئے تھے، لیکن کئی طلبہ یہاں مقیم بھی رہے، جامعہ میں ان کے لئے دونوں وقت مطبخ جاری رہا۔ وقتاً فوقتاً حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ کی طرف سے بھی ضیافتیں ہوتی رہیں۔ طلبہ کو گوشت بھی مناسب مقدار میں دیا گیا۔

پندرہ اگست کی تقریب

ہندوستان کی سالانہ تقریب جشن آزادی ۱۵/اگست کو منائی جاتی ہے۔ اس موقعہ پر جامعہ میں ایک روزہ تعطیل رہتی ہے اور تعطیل سے قبل تقریب، حسب روایت رخصت پذیر، ۱۵/اگست کو بھی تقریبِ جشن آزادی منعقد ہوئی، جس کی صدارت حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ اور نظامت احقر فضیل احمد ناصری نے کی۔ اس مناسبت سے اساتذۂ کرام کے مذاکرات بھی ہوئے، جن میں جشن آزادی اور وطن عزیز کے تئیں اظہار خیال کیا گیا۔ جامعہ کے استاذ حدیث محترم مولانا صغیر احمد پرتاب گڑھی زید مجدہم نے کہا کہ ۱۵/اگست ہمیں ہماری قربانیوں کی یاد دلاتا ہے، ہمارے اکابر نے انگریز کے خلاف وہ مسلسل جدوجہد کی کہ بالآخر راہِ

فرار اختیار کرنا پڑا اور آج ہم انہیں کی قربانیوں کے نتیجے میں اپنے وطنِ عزیز میں آزادی کی سانس لے رہے ہیں۔ احقر فضیل احمد ناصری نے کہا کہ آج کا یہ دن جہاں ہماری قربانیوں کی یاد دلاتا ہے وہیں یہ احساس بھی کراتا ہے کہ ملک ہم آہنگی کے طفیل ہی آزاد ہوسکا۔ آج حالات دگرگوں ہیں اور سازشی ذہنوں نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی پر ایسے بلڈوزر چلائے ہیں کہ اجتماعیت کی راہ اب مشکل تر ہوگئی ہے۔ کاش کہ وہ قدیم دور ایک بار پھر واپس آجائے۔

انجمن کواکب انور کی سرگرمیاں

جامعہ میں طلبہ کی تقریری وتحریری صلاحیت ابھارنے اور نکھارنے کے لئے ''انجمن کواکب انور'' روز اول سے ہی قائم ہے۔ یہ انجمن الحمدللہ ہر دور میں بہترین نتائج دیتی رہی۔ محترم جناب مولانا محمد ابوطلحہ اعظمی استاذ حدیث وتفسیر جامعہ نے اسے اور بھی چار چاند لگادیئے ہیں، اس وقت وہی اس کے نگراں ہیں۔ انجمن کے زیر انتظام دو دیواری پرچے بھی ماہ بہ ماہ جاری ہوتے ہیں، جن میں سے ایک عربی میں ہے اور دوسرا اردو میں۔ طلبہ بڑی مستعدی اور دل جمعی سے حصہ لے کر اپنی استعداد کو خوب چمکارہے ہیں۔ انجمن کے زیر انتظام موقع بہ موقع مسابقے بھی ہوتے ہیں، جن میں پوزیشن والے طلبہ کو گراں قدر انعامات سے نوازا جاتا ہے، مساہم طلبہ بھی تشجیعی انعام سے اپنی خوشیاں سمیٹتے ہیں۔ پچھلا مسابقہ قرأت اور نعت پر ہوا تھا، اگلے مسابقے کی تاریخ اور موضوع عنقریب متعین ہوجائیں گے۔

رواقِ انظر کی تعمیر جاری

جدید دارالاقامہ۔ جس کا سنگ بنیاد پچھلے برس پڑا تھا۔ کی تعمیر الحمدللہ جاری ہے۔ یہ دارالاقامہ ۴۵ بڑے کمروں پر مشتمل ہوگا۔ تین منزلہ اس زیر تعمیر دارالاقامہ کو فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

وفیات:

حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ کے لئے دعائے مغفرت

پچھلے دنوں ہندوستان کی اہم ترین شخصیت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی کا انتقال ہوگیا۔ مرحوم طویل عرصہ سے بیمار تھے، مولانا کاندھلوی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے اکلوتے فرزند اور بانی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے اکلوتے نواسے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے ایک طویل عرصے تک رکن شوریٰ، جب کہ مظاہر علوم جدید سہارن پور کے سرپرست وسرخیل تھے۔ مولانا کے انتقال

سے خانقاہی دنیا سوگ وار ہوگئی۔ رئیس الجامعہ حضرت شاہ صاحب مدظلہ نے ان کے انتقال کو خانقاہی دنیا کا بڑا خسارہ بتایا اور پسماندگان کو تعزیتِ مسنونہ پیش کی۔

اس موقع پر جامعہ میں قرآن پڑھ کر ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی گئی۔

حضرت مولانا محمد معاذ رشادی کا سانحۂ وفات

بنگلور کے سرکردہ عالم دین حضرت مولانا اشرف باقویؒ کے فرزند مولانا محمد معاذ رشادی کا اچانک انتقال ہوگیا، وہ ۴۹/ برس کے تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد جامعہ سبیل الرشاد بنگلور کے رئیس الاہتمام بنائے گئے تھے۔ موصوف نے اپنے مرحوم والد کی مسند بحسن وخوبی سنبھالی۔ ابھی اس حادثہ کو دو برس بھی نہیں گزرے تھے کہ بلاوا آ گیا، اور داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ ان کا انتقال جامعہ سبیل الرشاد کا بہت بڑا نقصان ہے۔ اللہ غیب سے اس کا تکفل فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔

جامعہ میں مرحوم کے لئے بھی دعائے مغفرت کی گئی۔

ایک امیر کی خدمت کا جذبہ

ایک صاحب کہتے ہیں کہ مجھے عبداللہ مروزیؒ کے ساتھ سفر کرنے کا موقع ملا، سفر شروع ہونے سے پہلے انہوں نے کہا کہ اچھا بتاؤ! ہم میں سے امیر کون ہے؟ میں نے عبداللہ مروزیؒ سے کہا: جی آپ سب کے امیر سفر ہے، انہوں نے کہا: بہت اچھا! اب اگر میں امیر بن گیا تو تمہیں پورے سفر میں میری بات کو ماننا ہوگا، میں نے کہا: حاضر ہوں، چنانچہ انہوں نے اپنے اور میرے سامان کو باندھا اور اپنے سر پہ رکھ لیا، میں نے کہا: جی مجھے اٹھانے دیں، کہنے لگے کہ آپ مجھے امیر مان چکے ہیں اب میں جو کر رہا ہوں مجھے کرنے دیں، میں بڑا حیران، چنانچہ دونوں کا سامان انہوں نے خود اٹھایا، چلے، راستے میں جب کھانے کا وقت آتا تو وہ کھانا میرے سامنے رکھتے اور مجھے حکما زیادہ کھلاتے حتی کہ ایک جگہ بارش ہوگئی تو وہ اپنی چادر سے ایک گھنٹہ میرے اوپر سایہ کئے رہے تاکہ میں بارش سے بچا رہوں اور آرام کی نیند سویا رہوں، میں نے کہا کہ جی مجھے آپ کی خدمت کرنی چاہئے، جب میں بات کرتا تو وہ کہتے: دیکھو! آپ مجھے امیر مان چکے ہیں، لہٰذا اب میں جو کہوں گا وہ آپ کو کرنا ہوگا، تو کہنے لگا کہ میں افسوس ہی کرتا رہا کہ کاش میں نے انہیں امیر نہ بنایا ہوتا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱۲/ ۵۶)

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband
Register from Registrar of Newspapers for India U.P. URD.2000/R.N.10663
Contact: (Off) 01336-220471, Mob. +91 8006075484
Email: ahmadanzarshah@gmail.com
Printed & Published by Syed Ahmad Khizar Shah,
Mohtamim of behalf of JIMAS, Behind Eidgah, DBD
and Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers, Deoband



جامعہ کی مرکزی عمارت ''انور ہال'' اور مسجد انور شاہ پر مشتمل شاندار منظر



جامعہ میں زیر تعمیر جدید دارالاقامہ کا مجوزہ نقشہ



دارالاقامہ کا بیرونی منظر



مسجد انور شاہ

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah
A/c No. 520101265117956
Corporation Bank Deoband, IFSC Code: CORP0000786